

# شمس الاسلام

ماہنامہ

\* بہارہ (پاکستان) \*

\* \* \*

بابت ماہ ربیع الاول ۱۳۷۸ھ

مذابیق ماہ اکتوبر ۱۹۵۸ء

مرتبہ سید عیاح الدین کاکاخیل

تحت ادارہ

علامہ حسین { امیر حزب الامصار بھارہ }  
مدیر مسئول { مولانا الحاج افتخار احمد بکوی }  
(پاکستان) سالانہ چاند



بیادگار زعیم ملت حضرت مولانا ظہور احمد صاحب گوی نور اللہ مرحوم

زیر ہدایت

مولانا افتخار احمد صاحب گوی امیر حزب انصار بھیرہ (پنجاب)

میں

حزب الانصار بھیرہ

(اللہ کے دین کے مددگاروں کا گروہ)

سالانہ چندہ

مادین سے ۵/- روپیہ

غیر مالک سے ۴/-

سالانہ چندہ

عوام سے ۳/- روپیہ

طلبہ سے ۲/۸

آخری مقاصد :- (۱) اندرونی و بیرونی حلوں سے اسلام کا تحفظ و اشاعت اسلام

(۲) اصلاح رسوم باتبع سیرت اسلامیہ، احیاء و اشاعت علوم دینیہ

طریق کار :- (۱) جریدہ شمس الاسلام کا اجراء دریں دارالعلوم عزیزہ جامع مسجد بھیرہ جو اپنے مختلف شعبوں کے ذریعہ اسلام کی بہترین خدمت سرانجام دے رہے۔ (۲) مبنین کے ذریعہ ملک کے طول و عرض میں اسلامی زندگی پیدا کی جا رہی ہے۔ (۳) عظیم الشان سالانہ کانفرنس (۵) امیر حزب الانصار

کامبنین کے ہمراہ سالانہ تبلیغی دورہ (۶) مکتب خانہ (۷) جامع مسجد بھیرہ کی مرمت۔

جریدہ کے قواعد و ضوابط : شمس الاسلام ہر ماہ (انگریزی کی ۵ تاریخ کو یا ہندی کی ۵ تاریخ کو) شائع ہوتا ہے۔ مضامین ہر ماہ کی (۱) تاریخ کو وصول ہونا چاہئے۔ مدیر کا مضمون نگار حضرات کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں (۲) اسکان حزب الانصار کے نام جریدہ مفت بھیجا جاتا ہے۔ چندہ

رکینیت کم از کم ۴ ماہ اور یا تین روپیہ سالانہ مقرر ہے۔ (۳) عام سالانہ چندہ ۳/۸ روپے۔ مادین سے ۵/۸ روپیہ اور طلبہ سے ۲/۸ روپیہ مقرر ہے۔ نمونہ کار پرچہ ہر کے ٹکٹ موصول ہونے پر بھیجا جاتا ہے۔ (۵) رسالہ باقاعدہ چارچ پڑھنے کے بعد حوالہ ڈال کیا جاتا ہے بعض رسائل راستہ میں تلف ہو جاتے ہیں ایسی صورت میں خریدار کی طرف سے ہر ماہ کی ۲۵ تاریخ تک اطلاع موصول ہونے پر رسالہ دوبارہ بھیجا جاتا ہے۔ اطلاع نہ ملنے کی صورت میں دفتر ذمہ دار نہ ہوگا (۶) جوابی کارڈ یا ٹکٹ گنے چاہئیں۔ (۷) ہندوستان والے اپنا چندہ حاجی فضل الہی عبد المجید صاحبان کمیشن

ایجنٹس مہاراشٹر (۸) نائب صدر شریٹ (۹) ہندوستان) کو بذریعہ مئی آرڈر ارسال کریں۔ (۱۰) بینک ڈاک اور خطوط بیرنگ روانہ ہوں گے۔ جملہ خط و کتابت و تفصیل زر بنام غلام حسین منیجر شمس الاسلام بھیرہ (ضلع سرگودھا) ہونی چاہئے۔

منیجر نشان : دائرہ میں منیجر نشان سالانہ چندہ ختم ہونے کی علامت ہے۔ آئندہ ماہ کار سالہ بذریعہ پی۔ پی۔ آر سال ہوگا۔ جس کے ذریعہ اخراجات سے بچنے کے لئے بہتر صورت یہ ہے کہ آپ اپنا چندہ بذریعہ مئی آرڈر بھیجیں خریداری منظور نہ ہوتا اطلاع دیں۔ خدا را

دی پی واپس کر کے ایک اسلامی ادارہ کو نقصان نہ پہنچائیں۔ خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔

غلام حسین منیجر سالہ

# شمس الاسلام جہیہ

مرتبہ: سید سیاح الدین کا کاخیل

شمارہ: ۹

ربیع الاول ۱۳۷۸ھ مطابق اکتوبر ۱۹۵۸ء

جلد ۲۹

## فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صاحب مضمون	صفحہ
۱	زفر مہ نعت	قر عثمانی دیوبندی	۴
۲	شذرات :- سیرت النبیؐ کے جلے اخلاقی زوال اور اس کا علاج	ادارہ ادارہ	۵
۳	سیرت نبویؐ قرآن حکیم کی شرح و تفسیر ہے	مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ	۹
۴	اسلام اور سہارا قانونی نظام	سعید عبدالقادر عودہ شہید	۱۱
۵	اسلامی ریاست، اسلامی معاشرہ، اسلامی قومیت	مولانا امین احسن اصلاحی	۱۷
۶	علامہ ابن تیمیہ اور تردید شیعیت	مولانا سید ابوالحسن علی ندوی	۲۱
۷	ایمان و امان	مولانا حکیم محمد اسحاق صاحب بنڈیوی	۲۵
۸	اتحاد بین المسلمین	مولانا محمد یعقوب صاحب خلیف محمد پورہ لایانپور	۲۸

باتمام غلام حسین ایڈیٹر پرنٹر پبلشر شائی برقی پریس سرگودھا میں چھپ کر دفتر جریدہ شمس الاسلام جامع مسجد عبیرہ سے شائع ہوا

# زمرہ نعت

(تم عثمانی دیوبندی)

جہان رنگِ بومیں یوں چراغاں کر دیا تو نے کہ سزورے کو رشکِ ماہِ تہاں کر دیا تو نے  
 شعورِ آدمیت سے تھے بیگانے جہاں والے مقامِ انساں کا انساں پر نمایاں کر دیا تو نے  
 وہ اہلِ کارواں احساسِ منزل بھی نہ تھا جن کو انہیں منزل کی دُھن میں پاہِ جولاں کر دیا تو نے  
 سنائے نعمائے نوبہ نو یوں لطفِ باہم کے کوانساں کو شہیدِ حسنِ احساں کر دیا تو نے  
 کچھ اس انداز سے چارہ گری کی تو نے دنیا کی کہ ہر اکِ دل کی بیماری کا درماں کر دیا تو نے  
 بے قسمتِ ملاہم کو امیرِ کارواں تجھ بس رہِ منزل کی ہر مشکل کو آساں کر دیا تو نے

نگاہِ لطف کے طالب میں اپنی خستہ حالی پر

نزولِ رحمتِ حق ہو تمہاری ذاتِ عالی پر

# شذرات

سیرت النبی کے جلسے معاصرہ الجمعیتہ دہلی کا یہ شذرہ ہے قارئین کرام کے لیے قابل مطالعہ ہے۔

مسلمانوں میں ماہ ربیع الاول، میلاد اور سیرت کے جلسوں کے لیے مخصوص ہے۔ اس ماہ مبارک میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی اور آپ کے وجود نے عالم انسانیت کو ایک تازہ خون بخشا، یہ بات عجیب ہے کہ دوسرے مذاہب کے گورکھ بھی اپنے اپنے بزرگوں کی سانگرہ اور یوم ولادت مناتے ہیں اور ان کی طرف تحیر التول اور عجیب و غریب باتیں منسوب کرتے ہیں، لیکن ان کی تقریباً کہ تاریخ سے کوئی مدد نہیں ملتی اور کوئی صحیح تاریخ ان کی زندگی پر روشنی نہیں ڈالتی اسی لیے ان کی طرف ایسی باتیں منسوب کی گئی ہیں جو انہیں خدا تو بنا سکتی ہیں کامل انسان کی شکل نہیں دے سکتیں، پیغمبر اسلام کی ولادت ایک ایسے دور میں ہوئی جو تاریخ میں کچھ دور کھلتا اور آپ کو تاریخی انسان بناتا ہے۔ اس لیے آپ کی پوری زندگی محفوظ ہے۔ اور وہ آج تک تاریخی راہوں سے ہم تک منتقل ہوتی چلی آئی ہے، آپ کی پیدائش، بچپن، جوانی، بڑھاپا، کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا، سونا جانا، گفتگو، تقریریں، ہدایت و پیغامات، اخلاق و عادات، سفر و حضر، گھر و محلہ اور نجی زندگی، دوستوں اور دشمنوں سے سلوک، عبادت و ریاضت، تحقیق باللہ، اصلاح خلق، سیاسی اور فوجی مہمات، جنگ و صلح کی باتیں تبلیغ و اشاعت، غرض زندگی اور سیرت مبارکہ کے پورے اطوار اور افعال تاریخ نے محفوظ کر لیے ہیں۔ اور یوم ولادت سے لے کر یوم وصال تک آپ آپ کی زندگی کا ہر گوشہ تاریخ اور واقعات کی روشنی سے منور ہے اور ہم چودہ سو سال گزرنے کے بعد بھی آپ کے اسی طرح دیکھ سکتے ہیں جن

طرح آج کے انسانوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

کمر دار اور شیر پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یوم ولادت اس لیے منایا جاتا ہے کہ پہلے تو خود مسلمان اپنی سیرت کو حضور کی سیرت کے مطابق بنائیں اور اپنے کردار سے آپ کی صداقت اور آپ کی باموردن اللہ پر شہادت دیں اور ہر معاملہ میں آپ کے اُسعہ حسنہ کو زندگی کا دستور حاصل بنائیں ہر مسلمان دیکھے کہ آنحضرت صلیم کی زندگی کیا تھی آپ کے اطوار و اخلاق کیا تھے مصائب و مشکلات کو آپ نے کس طرح، کس طریقہ، کس طریقے سے نبھایا ماحول کو کس طرح سدھارا، روحانی اور جسمانی دنیا میں کیا انقلاب پیدا کیا اور دنیا کو کیا پیغام دے کر گئے مسلمان کا مشن یہ ہے کہ وہ نیک بنے اور دنیا کو نیک بنائے، برائیوں سے بچے اور دوسروں کو برائی سے بچے اور اپنی زندگی کو فرائض و امتیازی، زندگی بنا کر یہ باور کرانے کہ اس کا وجود عالم انسانیت کے لیے خدا کی رحمت ہے جو لوگ مسلمان نہیں ہیں وہ بھی یہ کہہ دیں کہ اگر مسلمان نہ رہے تو یہ انسانیت کا سب سے بڑا نقصان ہوگا اگر مسلمان کا مشن یہی ہے تو وہ اسلامی کردار کے ذریعہ ہی پورا ہو سکتا ہے۔ ہمیں دنیا کو اسلام کی دعوت دینی ہے۔ دنیا کو بتانا ہے کہ پیغمبر اسلام کی سیرت مقدسہ ہی ہماری تمام مشکلات کا حل ہے، یعنی ہماری تبلیغ کردار کے فرائض ہو، ہمارا عمل ہی ایسا ہو کہ لوگ اسے دیکھ کر کھینچے چلے آئیں اور وہ پیغمبر امن کو مسلمانوں کا نہیں بلکہ اپنا اور انسانیت کا پیغمبر سمجھیں اور اسلام کو اس طرح ہاتھوں ہاتھ لیں گویا وہ ان کی گم شدہ متاع ہے، اسوہ کی سب سے بڑی تبلیغ مسلمانوں کی اسلامی سیرت اور ان کا قرآنی کردار ہے اگر یہ کردار اسلامی نہیں غیر مسلمی ہے تو اسلام کی رفتار رک جائے گی اور اس کی راہ میں مسلمان ہی سب سے بڑی رکاوٹ ثابت ہوں گے



مسلم اور مسلمان  
مصر کی تاریخ میں یہ واقعہ ملتا ہے  
کہ وہاں سے مسلمان مبلغین کا ایک وفد

یورپ روانہ ہو رہا تھا، منکر مشرق جمال الدین افغانی نے اس کے ارکان سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ تم اسلام کا پیغام پہنچانے کے لیے یورپ جا رہے ہو مگر خود تمہاری حالت ایسی ہے کہ لوگ تمہیں دیکھ کر اور متغیر ہوں گے کیونکہ ہر شخص تمہارا پیغام سن کر سوچے گا کہ اگر اسلام ایسا ہی ہے جیسا یہ لوگ بیان کرتے ہیں تو خود مسلمان پس ماندہ کیوں ہیں، مسلمان جاہل ہیں، غلام ہیں، منتشر ہیں، غریب ہیں، بدویانت ہیں، جھوٹے ہیں، ان تمام باتوں کے لیے اسلام ہی کو ذمہ دار ہونا چاہیے یعنی مسلمانوں کی عملی زندگی کو دیکھ کر کوئی شخص بھی اسلام کے بارے میں اچھا خیال نہیں کر سکتا، پھر تمہارا یورپ جانا اور وہاں کے لوگوں کو تبلیغ کرنا بے کار ہے۔ لوگ تمہارے کردار اور ماحول سے اسلام کا اندازہ لگائیں گے اور تمہارا کردار جیسا کچھ ہے وہ ظاہر ہے، یہ باتیں سن کر تبلیغی وفد بہت چکرایا اور پوچھا کہ پھر کیا ہو؟ جمال الدین نے فرمایا کہ اب ایک بات کر دو جب یورپ پہنچو تو لوگوں کو باور رکراؤ کہ موجودہ دور کا مسلمان عمل اسلام سے باغی ہے۔ اور وہ اسلام کی شاہ راہ سے بھٹک چکا ہے۔ مگر اسلام کا پیغام یہ ہے۔ لہذا کوئی شخص مسلمانوں کو نہ دیکھے صرف قرآن کو دیکھے اور صاحب قرآن کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کرے، ایسا کہنے سے اسلام بہت بڑے خطرے سے بچ جائے گا اور یہ بات حدیث ہو جائے گی کہ اسلام اڑے اور مسلمان اور میں جس کو اسلام کی طرف آنا ہو وہ مسلمانوں کو دیکھے براہ راست قرآن سے مشورہ کرے۔

اخلاقی زوال اور اس کا علاج  
یہ ترقی پزیر پاکستان سے قبل  
بھی ہمارے اس ملک کی اخلاقی

حالات اچھی نہیں تھی۔ اور غیر اسلامی نظام حکومت کا فرائض قوانین اور انگریزی نظام تعلیم و تربیت کی وجہ سے اخلاق دن بدن زوال ہو رہے تھے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ آزاد ہو جانے اور پاکستان قائم ہو جانے کے بعد اخلاقی تنزل و انحطاط نے اور بھی نمایاں ترقی کی ہے اور بد اخلاقی ایک مملکت و باقی بیماری کی طرح پھیلی جا رہی ہے۔ آج اگر آپ اخبارات کا مطالعہ اس نقطہ نگاہ سے کرنا شروع کریں کہ اس پاکیزہ ملک میں اور اس مسلمان قوم میں بد اخلاقی و بد کرداری کے کیا کیا واقعات روز روز پیش آتے ہیں تو آپ کے ذہن یہ کہ جی رانی ہوگی کہ معاملہ کس حد تک پہنچ گیا ہے۔ بلکہ اگر سینہ کے اندر حساس درد مند قلب موجود ہے تو آپ ان شخصوں کے اور ایسے ایسے واقعات دیکھنے میں آئیں گے جن کو دیکھ کر خون کے آنسو روئے بغیر نہیں رہا جاسکتا۔

اجتماعی طاقت کو پسند نہیں کرتے۔ جو پاکستان سے محبت رکھتے ہیں جو اپنی اور اپنی بہوشیوں کی عزت و عصمت کی قدر و قیمت کا احساس رکھتے ہیں۔ جن کے دل مظلومیت کی داستانوں سے دکھ محسوس کرتے ہیں۔ اور وہ گوکہ جو خدا کے حضور اپنی مسکدیت اور حجاب و بیک کا احساس رکھتے ہیں۔ ان سب کو ہم اس اہم ترین موضوع پر غور کرنے اور اصلاح احوال کی تدابیر اختیار کرنے پر متوجہ کرتے ہیں

(انتہی)

یہ واقعہ ہے کہ ہم نے خود بارہا اس موضوع پر غور کیا ہے مادر پوری توجہ کے ساتھ حالات کا مطالعہ کیا ہے۔ اور سمجھا ہے کہ آخر اس عام تباہی اور بد حالی کی اصلاح کیسے کیا تداویہ کر ہو سکیں گی۔ مگر بد اخلاقی اور سیرت و کردار کی خرابی کی بیماری کی جڑیں کچھ ایسی پھیل گئی ہیں۔ کہ کوئی سرسری اور وقتی علاج مفید نظر نہیں آتا۔ اور پھر یہ کہ بد اخلاقی کی ان مختلف اقسام و انواع کا آپس میں پورا ربط و تعلق ہے اور یہ ناممکن ہے کہ جزوی طور پر کسی ایک بد اخلاقی کے ازالہ کی تدبیر ہو سکے گی اور اپنے محدود وسائل کو دیکھ کر بہت داریں کسی ایک کی اصلاح شروع کر دی جائے تو اس کی اصلاح ہو سکے گی۔ بلکہ اب ایک حال پھیل ہوا ہے اور سب کا ایک دوسرے سے کڑیاں ٹی ہوئی ہیں کچھ گہری جڑیں ہیں جن کی شاخیں چاروں طرف پھیلی ہوئی ہیں اور ان جڑوں کی شاخوں کی وجہ سے سے شاخیں بھی سرسبز ہیں اور کڑوں سے کیسے پھل ظہور میں آ رہے ہیں

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ سب سے پہلے بنیادی وجہ تو یہ ہے کہ مسلمان قوم میں ایمان باللہ ایمان بالرسول۔ ایمان بالآخرت اس کیفیت کے ساتھ موجود نہیں رہا جو بد اخلاقیوں اور بد اعمالیوں سے بچنے اور ایک پاکیزہ معاشرہ وجود میں لانے کے لیے انتہائی کھدوری ہے۔ اور یہ سب کچھ اس فرنگی نظام تعلیم و تربیت اور فرنگی نظام حکومت کا اثر ہے جو انگریزوں کے ہتھوڑے سے جانے اور ملک آزاد ہو جانے کے باوجود اب تک ہم پر مسلط ہے۔ اور اس

معاشرہ المنیہ (لال پور) نے اگستمبر کی اشاعت میں اس مسئلہ پر دو مہمانانہ اناڑے کچھ تبصرہ کیا ہے اور اس نے صرف ضلع لال پور کے چند ایسے واقعات کی طرف "ضلع کے ذمہ دار حضرات" کو توجہ دلائی ہے جو صرف ۲۴ اگست سے ۲۴ ستمبر تک ایک ماہ کے عرصہ میں وقوع میں آئے اور جو اخبارات میں شائع ہو چکے ہیں۔ ۲۵ اہم واقعات درج کرنے کے بعد معاشرہ نے لکھا ہے کہ

یہ نہایت مختصر اور ٹھیل نقشہ ہے اس صورت حال کا جس سے ضلع کے بیس لاکھ انسان دوچار ہیں۔ ان حالات اور واقعات کے سرسری مطالعہ سے یہ حقیقت ظاہر ہو جاتی ہے کہ یہاں جرائم نے خوراک کی شکل اختیار کر لی ہے۔ قتل ایک معمولی اقدام کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ مسلمان لڑکیوں اور عورتوں کی عصمت مسلمان کہلانے والے لڑکوں کے نزدیک کھلونے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔ جان اور عصمت کے ان ساخت کے بعد دھوکہ اور فریب کے واقعات کا نمبر آتا ہے۔ یہ باب ختم نہیں ہوتا کہ ضلع کے منتخب ممبرانِ بلدیات کی خورم پیزار کی خبریں سنائی دیتی ہیں۔ ابھی ان کا مطالعہ جاری ہوتا ہے کہ نوجوان سڑکوں پر اپنی مسلمان بہنوں کی عزت کے درپے نظر آتے ہیں۔ اس غم انگیز صورت حال سے دوچار ہونے کے دوران ہی یہاں مرکز فرشتی چکلا۔ میں بیسیوں محمور مغویہ و دشیزاؤں کی دلدوز چھین سنائی دیتی تھی ہیں۔ ورمند دل بھی ان سے عہدہ بردار نہیں ہوتے مگر شہر کے بیسیوں مقامات پر بھنگ چرس اور دوسری بد معاشیوں کے اڈے انھیں پریشان کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

بد اخلاقی اور بد کرداری کے ان واقعات کو ذکر کر کے ان کی طرف توجہ دلانے اور تبصرہ کرنے کے بعد آخر میں معاشرہ نے ایک پیل کی ہے کہ

ان حالات میں ہم ان تمام لوگوں سے جو عظیم و خیر خدا گنتے ہیں۔ جن کا ایمان ہے۔ کہ جرائم کا انجام تباہ کن ہے۔ جو اس قوم کے ساتھ کسی نزع کا تعلق اور ہمدردی رکھتے ہیں جو اس قوم کی

قانون ان بنیادی خرابیوں کو روکتا ہو جن سے برائیوں کے یہ سارے جتنے پھوٹ کر نکلتے ہیں۔ شہروں میں چکلوں کو قانونی جواز حاصل ہے۔ سینماؤں کو جو کہ محل میں ہرے جیانی، فحاشی، ڈاکو زنی، جیب تراشی، دھوکہ دہی، قتل و خون ریزی اور ایسے نامفاسد کی جڑ ہیں بالکل کھلی چھٹی ہے۔ اور وہ روزانہ ہلاکتوں کو رکھنے کے لاکھوں نوجوانوں کو بد اخلاقی کی تعلیم و تربیت دینے میں مصروف ہیں موجودہ دور میں زندگی کا ہر شعبہ حکومت کے زیر اثر ہے۔ روٹی کا ایک لقمہ اور پانی کا ایک گھونٹ بھی اس نظام سے متاثر بغیر نہیں۔ ایک شخص ہزار مرتبہ اپنے کو کیسو رکھنے کی کوشش کرے۔ اور کسی کو روہ میں یا کسی پہاڑ کے غار میں جا کر رہے لیکن پھر بھی اس کی زندگی اس جاری و ساری نظام کے ساتھ وابستہ ہوگی اور وہ اس کے اچھے برے اثرات سے بچ نہیں سکتا۔

یہی ہے کہ جو لوگ مقررہ جہت میں کہ اخلاقی اور مذہبی کی فضا ختم ہو۔ نیکی کو شرم کا موقع ملے اور بدی ختم ہو ان کیلئے اب قانون خطوط پر پھینکا پڑے گا کہ یہ نظام کیسے بدل دیا جائے۔

خدا کے نیک بندوں کو آگے بڑھنے کا کیسے موقع ملے گا۔ شرفیوں اور خدا کا خوف دل میں رکھنے والے کو کیسے وہ طاقت ہاتھ میں آئے گی جس کے ذریعہ سے وہ فسق و فجور کا سر توڑ سکیں خدا گواہ ہے کہ ہم یہ باتیں محض سیاسی غرض کیلئے ذکر نہیں کرتے بلکہ حالات دیکھ کر اپنی رائے وہ ہے جس کا اظہار علامہ اقبال مرحوم نے ان الفاظ میں فرمایا ہے۔  
تاتہ وبالانہ گردد این نظام ، دین و دانش این بہرہ سودائے خام

نظام زندگی کی وجہ سے سارا ماحول کچھ ایسا ناپاک ہو گیا ہے کہ نہ پاکیزہ غذا میسر ہوتی ہے اور نہ پاکیزہ پانی۔ ہوا تک مسموم ہے اور جب چاروں طرف ناپاکی ہی ناپاکی ہو تو روح کو پاکیزہ غذا کہاں سے ملے۔ ان حالات میں روحانی بیماریوں کا پیدا ہونا، بڑھتے رہنا اور تباہی پھیلنا بالکل ایک لازمی امر ہے۔ اس میں شک نہیں کہ برائیوں اور بد اخلاقیوں کے انزالہ کے لیے دعوت الی الخیر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا سلسلہ متواتر جاری رہنا چاہیے ایک ایسی جماعت ہونی چاہیے جو پورے اخلاص و ولایت کے ساتھ لوگوں کو ان بد اخلاقیوں اور ان کے نتائج بد کے بارے میں خبردار کرتی رہے اور رشد و ہدایت کی تعلیم و تلقین میں لگی رہے۔ اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ اگر دعوت الی الخیر اور نہی عن المنکر کا سلسلہ ذرا بھی ترک جائے تو فسق و فجور اور بغاوت و انفرمانی کے سیلاب اور بھی زور سے اٹھ آئیں گے۔ اور اگر یہ سلسلہ جاری رہے۔ اور حق کے داعی اپنی سہی کوشش کر کے اپنا فریضہ ادا کرتے رہیں تو یہ جدوجہد بے کار اور ضائع نہیں جاتی۔ عند اللہ برأت ذمہ کے علاوہ کافی حد تک اس کا فائدہ بھی ہوتا ہے۔ اور کسی گوشے میں تو اس بے پناہ سیلاب کے سامنے بندھ بانڈھا جا سکتا ہے اور اگر ایک دو آدمی بھی غلط کاری اور بد اخلاقی سے توبہ کر کے راہ راست پر آجائیں تو یہ بھی کامیابی ہے۔ اور خوشی کا مقام لیکن اس کے باوجود یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ موجودہ دور میں جب کہ نظام تعلیم و تربیت بھی غیر اسلامی اور خالص مادہ پرستانہ ہے۔

اور ملک کا قانون بھی اتک کچھ اس

انداز سے اور ایسی بنیادوں پر مرتب ہے کہ بد اخلاقی کو پھیلنے کا موقع خوب مل سکتا ہے اور بہت کم مواقع ہوں گے جہاں



# سیرت نبوی قرآن حکیم کی شرح و تفسیر

(انحضرت مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ)

پر گزرا اور قولاً و فعلاً جو کچھ اس سے تعلق رکھتا ہے ان میں سے ہر بات بجائے خود ایک دلیل اور برہان حق ہے۔ اس سے بڑھ کر اس حقیقت کے اثبات کے لئے اور کوئی دلیل یقینی و قطعی نہیں ہو سکتی کہ خدا ہے اور ساری اچھی اور حسین صفاتوں سے متصف ہے۔ اور اس نے جس طرح عالم ہستی اور مافیہا کو بنایا اُسی طرح اُس کے لئے قوانین و نواہیں عمل و نتائج بھی بنائے اور وہ ہر حال میں اُپلی ہیں۔ دُنیا میں انسان زیادہ سے زیادہ اور قطعی سے قطعی یقین جن چیزوں پر رکھتا ہے اور جن مسائل سے اُن کے یقینی ہونے کو مانتا ہے قرآن کی یہ دلیل اُن سب سے زیادہ قطعی اور سب سے زیادہ روشن و مستحکم ہے۔ اور اگر یقین کے لئے یہ دلیل کافی نہیں۔ تو پھر اس دُنیا میں یقین کا وجود بھی نہیں۔ حتیٰ کہ دوپہر کے وقت چمکتے ہوئے سورج کا بھی نہیں۔ اور جسم کے ایک ایک ماسم سے چھوٹی اور لگ کر چلنے والی ہوا کا بھی نہیں۔ اگر تم کہتے ہو کہ دُنیا میں صرف انہیں باتوں کو ماننا چاہئے جو یقینی ہوں اور ثابت شدہ یعنی تم اعتقاد کے لئے صرف امکان کو کافی نہیں سمجھتے۔ اثبات کے طلب کار ہو تو جب بھی دُنیا میں الکلام الطیب اور العمل الصالح سے بڑھ کر اور کوئی ثابت و واقع حقیقت ہو سکتی ہے۔؟ خود تمہارا وجود اور اثبات انا، بھی اس سے زیادہ ثابت و مشہور نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے جابہ جا دعوت الہی الوحی کو القول الثابت اور الدین القیم اور الواقع اور الثابت وغیرہ سے تعبیر کیا ہے۔ بہر حال حضرت نوح کا وجود بجائے خود ایک دلیل و ثابت ہے۔ حضرت ابراہیم

حقیقت یہ ہے کہ جب تک دُنیا باقی ہے۔ صاحبِ کائنات کی سیرت و حیات مقدس کے مطالعہ سے بڑھ کر نوع انسانی کے تمام امراضِ قلوب و عللِ اذیہ کا اور کوئی علاج نہیں اسلام کا دائمی معجزہ اور ہمیشگی کی حجتہ اللہ ابانہ قرآن کے بعد اگر کوئی چیز ہے تو وہ صاحبِ قرآن کی سیرت ہے۔ اور دراصل قرآن اور حیاتِ نبوت منہا ایک ہی ہیں۔ قرآن حق ہے اور سیرت اس کی شرح۔ قرآن علم ہے اور سیرت اس کا عمل۔ قرآن صفحات و قرائیں مابین الدفتین اور فی صدورِ اذنین اور قلوبِ العلمین ہے۔ اور یہ ایک محکم و مشتمل قرآن تھا جو شرب کی سزائیں پر چلتا پھرتا نظر آتا تھا۔ کما قالَت الصدیقیۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وکان خلقہ القرآن ۛ

مادو جانے آمدہ دریک بدن

من کیم ایلی ویلی کیست؟ من

انبیاء کرام کی زندگی سے بڑھ کر یقین اور ایمان کی پکار اور کیا ہو سکتی ہے؟ محال قطعی ہے کہ صاحبِ استعداد سیرتِ نبویہ کا کوئی چھوٹا سے چھوٹا ٹکڑا بھی پیش نظر رکھتا ہو اور پھر شک و اضطرابِ نفس کا افسوس نہ لگے اس پر کارگر ہو سکے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے جابہ جا انبیاء کرام علیہم السلام کی نفسِ زندگی و وجود کو بہ طور ایک حجت و برہان کے پیش کیا ہے۔ نہ کہ محض بہ طور قصص و اظہارِ علمِ سابق و انباء بالغیب کے، جیسا کہ عموماً سمجھا گیا ہے۔

قرآن حکیم کا کھلا کھلا دعویٰ یہ ہے کہ ہر نبی کی زندگی جس طرح شروع ہوئی۔ اور جس طرح ختم ہوئی۔ اور جو کچھ اس

نام اُن کا آسمان ٹھہرایا تحریر میں  
والکناۃ ابلغ من القصص

عوش دل کش است قصہ خربان روزگار  
تو یوسفی قصہ تو احسن القصص

اور اگر اس باب کچھ باب اشارات سے باہر بھی دیکھا جائے  
جب بھی اس کی صداقت میں کلام نہیں۔ جب تمام انبیاء کرام  
علیہم السلام کا وجود اصلاً ایک ہی اصل و حقیقت پر مبنی اور  
اپنے تمام مقاصد و اعمال و وقائع میں جزء کا ایک ہی سلسلہ  
بعثت کی مختلف کڑیاں اور پیکنگ دہم معنی اشکال و صُور ہیں  
اور اس لیے باہم دیگر یک قلم اشباہ و نظائر کا حکم رکھتے ہیں۔  
بہ حدیکہ کہ بہ وجہ کمال اشتراک صورت و معنی اگر ایک کڑی  
ہٹا دی جائے تو دوسری ٹھیک ٹھیک اس کی جگہ جڑ جائے اور  
معلوم ہے کہ اس سلسلہ کی آخری کڑی یعنی وجود مقدس حضرت  
خاتم الادیان و مکمل الشرائع و متمم النعم ساری پھیلی کڑیوں کا  
جامع اور اسی لیے بہ حکم "اناسید ولد آدم" اور  
لوکان موسیٰ حیثاً ما وسعہ الاتباعی" اور نصی  
قرآنی کہ کذتم خیر امة اخرجت للناس" اور ایضاً  
اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی الایہ اور تکلیف  
اذا جئنا من کل امة لبشید و جئنا بک علی  
هو اء شہیداً منہائے سیادت و قیادت عالم و  
مرکزیت رسل و شرائع، و افضلیت کلی نوع سے فائز و ممتاز  
ہے۔

بہ طراز زندگی قامت موزون نازم  
ایک قبا نیست کہ شائستہ اندام نیست

تو لا محالہ اب فضائل و مقامات اور قصص و حکایت  
مناقب و برکات میں جو کچھ قرآن حکیم نے بیان کیا ہے۔ باجو  
کچھ صدق لسان و تحقیق بیان کے ساتھ اس بارے میں کہا جائے  
گا۔ وہ گویا واسطہ دوسروں کی حکایت ہو مگر بالواسطہ متعلق  
اسی وجود اجمع و اکمل سے ہوگی۔ اور جب کبھی خاص اس  
(باقی صفحہ ۳۱ پر دیکھیے)

اپنی ذات کے اندر عموماً ایک جگہ قائمہ اور آئیہ کاملہ ہیں۔ حضرت  
موسٰی کی پوری زندگی صرف ایک لفظ میں بتلا دی جاسکتی ہے۔  
برہان حکم و دلیل ثابت اور اسی طرح تمام انبیاء و مرسلین اور  
جوہر اُن کی تبعیت و معیت کے تمام نفوس صادقہ بشر۔ من  
الصديقين والشهداء والصالحين عليهم الصلوة  
والسلامہ کی زندگیوں اور زندگی کے تمام وقائع و اعمال بجائے  
خود ایک مستقل دلیل و برہان حق ہیں۔ اور اس طرح ہر نبی  
کا تنہا وجود سیکڑوں دلیلوں اور ہزاروں شہادتوں کا مجموعہ  
ہے۔ اس لیے قرآن کریم ان کا استنباط و اُستدلال ذکر کرتا  
ہے۔ اور ان کو آیت اور بینۃ سے تعبیر کرتا اور اس طرح  
گویا ہر ایک تذکرہ و حکایت حیات نبوت و ماجار بالحق پلن دنیا  
کے سامنے صدہا دلیلیں اور روشنیاں چمکا دیتا ہے علیٰ حد  
یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے جابجا حضرت ختم المرسلین و  
صاحب سورۃ حسہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کو بطور  
ایک مستقل دلیل و شاہد ثابت کے پیش کیا ہے۔ اور نہایت  
کثرت کے ساتھ اُن کی سیرت و سوانح اور وقائع و ایام مختلف  
پیرایوں اور مختلف لواحق و سوابق اور روابط کے ساتھ بار بار  
توجہ دلائی ہے۔ اور بسا مقامات میں ایسا بھی ہے کہ  
گفتہ آید در حدیث و غیرہ

کا معاملہ ایک کیفیت خاص اور لذت اشارات اربابِ اُز  
نیاز کے ساتھ، اصحابِ نظر و ذوق کے لیے قرۃ العیون اور  
سرورِ انفس و قلوب کا حکم رکھتا ہے۔ حتیٰ کہ بعض عرفا  
و اصحابِ ارشاد رات نے کہا۔ ہائے بسم اللہ سے سس  
والناس تک جو کچھ ہے۔ گو حکایت موسیٰ کلیم کی ہو اور یوسف  
صدیق کی و صلوات اللہ علیہما لیکن اُن سب سے مقصود ایک  
ہی ہے۔ نام و دعووں کے ہوں۔ مگر روئے سخن اُسی  
طرف ہے۔

چشمِ سوئے فلک در روئے سخنِ سوئے تو بود  
اور اردو میں کسی نے خوب کہا ہے

# اسلام اور ہمارا قانونی نظام

(از عبدالقادر عودہ شہید م)

اعدائے اسلام سے موالا حرام ہے | غیر مسلموں سے دوستی اور

بھائی چارہ از روئے اسلام حرام ہے۔ ایک مسلمان کا عمل ہمیشہ اسلام اور مسلمان کے مفاد کی خاطر ہونا چاہئے۔ اور اس سے کفار کی خیر سگالی مرکز مقصود نہیں ہونی چاہئے۔ اسلام کا قاعدہ یہ ہے کہ مسلمان کا دوست اور بہن بھائی مسلمان ہے۔ اور کافر کا کافر۔ تمام دنیا کے مسلمان ایک امت اور ایک قوم ہیں۔ اور تمام دنیا کے کفار (ناموں کے اختلاف کے باوجود) ملت واحد ہیں۔ قرآن مجید میں ہے :-

وَأَنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ  
أُمَّةً وَاحِدَةً (المومنون) ایک ہی قوم ہے۔  
إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ  
مومنین تو سب ایک برادری  
(المحجرات) ہیں۔

اسلام نے غیر مسلموں سے دوستی اس لئے منع فرمائی ہے کہ اس سے مسلمانوں کی صفوں میں سخت انتشار اور فتنہ و فساد برپا ہوتا ہے۔ اسلام ان غیر مسلموں سے تو حُسن سلوک اور ربط و ضبط کی اجازت دیتا ہے جنہوں نے مسلمانوں سے لڑائی یا ان پر کوئی زیادتی نہ کی ہو۔ لیکن جن کفار نے مسلمانوں سے جنگ کی ہو اور ظلم و عدوان سے کام لیا ہو ان سے مودت و محبت اور میل جول رکھنے کی ممانعت ہے۔ قرآن مجید میں یہ مضمون نہایت وضاحت سے بابرہ بیان کیا گیا ہے۔

لَا يَتَّخِذُ الْمُؤْمِنُونَ كَافِرِينَ  
دوست بنائیں مومنین کافروں کو

الکافرين اولياء من دون  
المومنين وَمَنْ يَفْعَلْ  
ذَلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي  
شَيْءٍ إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ  
تَمَّ أَنْ يَكُونَ رِبُو۔  
تقاة (آل عمران - ۲۸)

(۲) دالمؤمنون والمؤمنات  
بعضہم اولیاء لبعض  
ان میں سے بعض، بعض کے دلی  
(التوبہ ۱۷)  
(یعنی دوست و مددگار) ہیں  
(۳) والذین کفروا بعضہم  
اولیاء لبعض (الانفال)  
ایک دوسرے کے اولیاء (دوست  
و مددگار) ہیں۔

(۴) یا ایہا الذین آمنوا لا  
تتخذوا الیہود والنصارى  
اولیاء بعضہم اولیاء لبعض  
کے بعض بعض کے دوست ہیں۔  
ومن یتولہم منکم فانیہ  
اور جو ان سے دوستی رکھے تم میں  
منہم (المائدہ - ۵۱)  
سے پس وہ انہی میں سے ہیں۔  
(۵) انما ولیکم اللہ و  
تمہارا ساتھی تو اللہ اور اس کا  
رسول (المائدہ ۵۵)  
رسول ہے۔

(۶) الذین یتخذون  
الکافرين اولیاء من دون  
المؤمنين۔ یتبغون عندهم  
رفیق اور دوست۔ مومنوں کو  
العنة فات العزة بللہ  
چھوڑ کر کیو وہ تلاش کرتے ہیں



جميعا (النساء - ۱۳۹)

ان کے ہاں عزت پس یقیناً  
عزت اللہ کے لئے سب کی  
ساری

(۷) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا  
تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ  
أَوْلِيَاءَ تَلْقَوْنَ الْبَغْيَ بِمَا كُنتُمْ  
فَعَلْتُمْ قَدْ كَفَرُوا إِسْبَاحًا كَمَا  
مَنْ الْهَقَى (الممتنع - ۱)

اے ایمان والو! امت بناؤ  
میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں  
یعنی کافروں کو ساتھی اور دوست  
تم انہما کرتے ہو ان کی طرف  
محبت کا، حالانکہ انہوں نے  
کفر کیا ہے اس کا جواب آیا ہے  
تمہارے پاس حق۔

(۸) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا  
تَتَّخِذُوا بَطَانَةً مِّنْ دُونِكُمْ  
(آل عمران - ۱۸۸)

تم نہیں پاؤ گے کسی گروہ کو جو  
ایمان لاتا ہے اللہ پر اور یوم  
آخرت پر کہ وہ محبت کرتا ہو  
اُس سے جس نے مخالفت کی ہے  
اللہ کی اور اُس کے رسول کی،  
خواہ وہ اُن کے باپ ہوں یا  
اُن کے بیٹے ہوں یا اُن کے بھائی  
ہوں یا اُن کے خاندان والے  
ہوں۔

(۹) لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ  
بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَدُّونَ  
مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ  
وَلَوْ كَانَ آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ  
أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتُهُمْ  
(المجادلہ - ۲۳)

اے ایمان والو! امت بناؤ اپنے  
باپوں اور اپنے بھائیوں کو  
ساتھی، اگر انہوں نے پسند کیا ہے  
کفر کو ایمان کے بدلے۔

(۱۰) تَتَّخِذُوا آبَاءَكُمْ وَإِخْوَانَكُمْ  
أَوْلِيَاءَ إِنِ اسْتَحْبَبْتُمْ الْكُفْرَ  
عَلَى الْإِيمَانِ (التوبہ - ۲۳)  
(۱۱) تَرَى كَثِيرًا مِنْهُمْ يَقُولُونَ  
الَّذِينَ كَفَرُوا الْبَسُوا

تم دیکھتے ہو کہ بہت سے ان  
میں سے محبت کرتے ہیں اُن

قدِّمَتْ لَهُمْ أَنْفُسَهُمْ  
إِنْ يَخِطُّ اللَّهُ عَلَيْهِمْ  
فِي الْعَذَابِ هُمْ خَالِدُونَ  
ولو كانوا يؤمنون  
باللَّهِ وَالنَّبِيِّ وَمَا أُنْزِلَ  
الَيْهِ مَا اتَّخَذُوا هُمْ  
أَوْلِيَاءَ وَلَكِنْ كَثِيرٌ مِنْهُمْ  
فَاسْقُونَ ه (المائدہ - ۸۰) م  
نہ بناتے ان کو دوست، لیکن  
ان میں سے بہت فاسق ہیں۔

(۱۲) لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ  
الَّذِينَ لَمْ يَرْفِقُوا تِلْكَ  
فِي الدِّينِ وَلَمْ يَجْعَلْ لَكُمْ  
مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ  
وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ  
يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ه إِنَّمَا  
يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ  
قَاتَلُواكُمْ فِي الدِّينِ  
وَإَخْرَجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ  
وَنَظَاهِرُكُمْ عَلَى إِخْوَانِكُمْ  
إِنْ تَوَلَّوْهُمْ وَمَنْ  
يَتَوَلَّهُمْ فَأُولَئِكَ  
هُمُ الظَّالِمُونَ۔

اُن سے دوستی جوڑو۔ اور جو  
انہیں رفیق بنائے وہی لوگ ظالم  
ہیں۔

قرآن مجید کی ان نصوص صریحہ کے باوجود اور ان احکام  
قطعیہ کے علی الرغم ہمارے حکام اور زعماء انگریزوں فرانسسوں  
اور امریکیوں اور روسیوں اور دوسرے اعدائے اسلام سے

میں بڑی رکاوٹیں صرف دو ہیں۔ ایک مغربی استعمار، دوسری مسلمانوں کی حکومتیں۔

سامراج اور استعمار، اسلام کا دشمن نمبر ایک ہے

**استعمار** | اس نے سب سے پہلے اسلامی قوانین کی تیئج اور ان کی جگہ پر غیر اسلامی قوانین کی ترویج کے لئے راستہ ہموار کیا ہے۔ اسلامی قوانین کے بل پر ایک مکمل اسلامی معاشرہ

جہاں وجود میں آجائے وہاں مغربی استعمار و استبداد اپنے قدم ہرگز نہیں جما سکتا۔ اسے لازماً راہ فرار اختیار کرنی پڑتی ہے۔ اسلام، مسلمانوں میں صرف اللہ کے کلمے کو بلند دیکھنا چاہتا ہے۔ اور استعمار کی آلائشوں کو کسی صورت میں بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ اسلام، مسلمان کے لئے حرام قرار دیتا ہے کہ وہ کفر کے سامنے کسی لحاظ سے بھی جھکے۔ یا اس سے کسی حیثیت میں بھی شے۔ اسلام نے مسلمان کو یہ سکھایا ہے کہ وہ استعمار کے خلاف ہر لحاظ سے سر بہ کف اور شمشیر بہ دست ہے اور اس وقت تک چین سے نہ بیٹھے جس وقت تک دین اسلام کو غلبہ نصیب نہ ہو جائے، اسلام کا بول بالا اور کفر کا بول پست نہ ہو جائے۔ اسلام نے امیر ملزم سے مودت و موالات کو حرام کر دیا ہے۔ اور اس سے نفرت و کراہت کو واجب قرار دیا ہے۔ اب آپ خود غور کر سکتے ہیں کہ سامراج اسلامی فضا میں کیسے جڑ پکڑ سکتا اور پروان چڑھ سکتا ہے اور جن فضا میں سامراج قدم جمائے وہاں اسلام کیسے باقی رہ سکتا ہے۔

اسلام کو دئے زمین کے تمام مسلمانوں کو ایک امت قرار دیتا ہے۔ اور ان سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اپنے دشمنوں کے سامنے سیدہ پلانی ہوئی دیوار بن کر کھڑے ہوں۔ اعدائے اسلام مسلمان ممالک میں سے ایک ایک کو تو اپنے دام تزدیر کا شکار بنا سکتے ہیں لیکن ساری دنیا کی اسلامی وحدت کا مقابلہ بھلا وہ کیسے کر سکتے ہیں۔ اس لئے وہ چاہتے ہیں کہ مسلمان ممالک میں اسلامی قوانین نافذ ہونے کے بجائے الگ الگ قومی اور

دوستی کا دم بھرتے ہیں۔ اور ان سے محبت کی پٹنگیں بڑھاتے ہیں۔ حالانکہ یہ لوگ مسلمانوں سے لڑتے ہیں۔ بلاد اسلامیہ پر یہ جبر و زور مسلط ہیں۔ اور ان پر انواع و اقسام کے مظالم ڈھارہے ہیں۔ ہمارے حکمران ان لوگوں کی خوش آمد میں عز و جاہ کی تلاش کرتے ہیں۔ حالانکہ ان لوگوں کے ہاتھ مسلمانوں کے خون سے رنگے ہوئے ہیں۔

**اسلام کی راہ میں کاوٹیں** | گزشتہ مباحث میں ہم لکھ چکے ہیں کہ ہماری اجتماعی

زندگی تناقض، تضاد، انتشار اور فساد سے لبریز ہو چکی ہے اور گونا گوں معاصبات و مشکلات نے ہمارے معاشرے کا گلا بڑی طرح دوڑچ لیا ہے۔ ہر مسلمان کو یہ بھی معلوم ہے کہ اس کے جملہ امراض کا علاج اور سائے ڈکھول کا مادا اسلام ہے مسلمان اس حقیقت کے اعتراف ہی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ وہ اس بات کا مطالبہ بھی کر رہے ہیں کہ ان کی حیات اجتماعیہ کو اسلام کے احکام و قوانین کی بنیاد پر تعمیر کیا جائے۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ اس علم و اعتراف اور اس مطالبے کے باوجود ہم اپنے مقصد کے حصول میں ناکام ہو رہے ہیں۔ اور کوئی شے ہے جو اسلام اور مسلمانوں کے درمیان برابر حائل ہو رہی ہے۔ اگر مسلمان بلاد اسلامیہ کے اندر اقلیت میں ہوتے تو یہ کہا جاسکتا تھا کہ غیر مسلم اکثریت طالب اور مطلوب کے درمیان حائل ہے۔ لیکن امر واقعہ اس کے خلاف ہے مسلمان اپنے بیشتر ممالک میں غالب اکثریت کے مالک ہیں۔ ان میں سے بہت سے ممالک ایسے ہیں جن کا سرکاری دین بھی اسلام ہے۔ پھر یہ ممالک جمہوریت کے بھی مدعی ہیں۔ اور ان کے دستور میں اس مفہوم کی واضح دفعات بھی موجود ہیں۔ کہ یہاں حکومت اور قوانین کی تشکیل جمہور یعنی اہل ملک کی اکثریت کے حسب مشاء عمل میں لائی جائے گی۔ پھر اسلام کی راہ میں آخر کاوٹ کیا ہے؟ اگر آپ غور کریں تو آپ کو اندازہ ہو جائیگا کہ اس راہ

یہ جذبہ بیدار اور یہ قوت پیدا نہ ہونے پائے۔ ہمیں برطانیہ کے وزیراعظم کلیڈ سٹون کے وہ الفاظ بھی نہیں بھولنے چاہئیں جو انہوں نے دارالعوام میں کھڑے ہو کر کہے تھے۔ وہ الفاظ یہ تھے:-

”برٹش امپائر کے قدم اس وقت تک اسلامی ممالک میں نہیں جم سکتے جب تک اُن میں یہ کتاب موجود ہے جتنے قرآن“ کہا جاتا ہے۔“

امپریلیٹ طاقتیں اپنے واعظین اور مشنریوں سے بھی مدد لیتی ہیں۔ چونکہ ان طاقتوں نے یہ دیکھ لیا ہے کہ علانیہ اور براہ راست مسلمانوں کو کافر بنانا اور اسلام کے ترک و انحراف پر انہیں آمادہ کرنا آسان نہیں ہے۔ اس لئے اب بالواسطہ تدبیر کے ساتھ مسلمانوں کو اپنے مقام رفیع سے زینہ زینہ نیچے اتارنے کی کوشش کی جا رہی ہے مغرب کے مبلغین ہمیں یہ بتاتے ہیں کہ مذہب اور علم و عقل کا کوئی جوڑ نہیں ہے۔ اور دین نے ہمیشہ علم و فن کے ارتقاء کو روکنے کی کوشش کی ہے۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ مسیحی چرچ کی تاریخ اس حقیقت پر مشاہد ہے کہ جب تک ان دونوں کے دائرہ کار کو ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں کر دیا گیا اقوام یورپ ترقی کی راہ پر گامزن نہیں ہو سکیں۔ وہ مسلمانوں کو یہ نصیحت کرتے ہیں کہ اُن کے زوال کی اصل وجہ یہ ہے کہ وہ دین سے غیر معمولی وابستگی رکھتے ہیں۔ اور زندگی کے ہر معاملے میں مذہب سے رہنمائی طلب کرتے ہیں۔ اُن کے بقول جب تک دین اور سیاست کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کر دیا جائے گا۔ اور یورپ والوں کی طرح جب تک لادینی حکومتوں کا قیام عمل میں نہیں آئے گا، اُس وقت تک مسلمان ترقی نہیں کر سکتے۔ مغربی مفکرین و واعظین کا یہ جادو بہت حد تک کام کر گیا ہے۔ ہمارے اپنے بہت سے مصنفین اور سیاستیں نے بھی اب یہی راگ الاپنا شروع کر دیا ہے۔ انہوں نے مسلمانوں کے ذہن کو مسموم کر دیا ہے

غیر اسلامی قوانین نافذ ہوں اور ایک بین الاقوامی اسلامی قومیت نشوونما پانے کے بجائے ان میں الگ الگ ملکی اور نسلی قومیتیں نشوونما پائیں۔ جب تک دنیا میں استعمار باقی ہے اسلام اور استعمار کی لڑائی بھی باقی ہے۔ اگر مسلمانوں میں قوت ہے تو وہ برابر اُس دشمن کے خلاف سینہ سپر رہیں گے۔ اگر ان میں قوت نہیں تو وہ برابر فراموشی قوت کے لئے جدوجہد کرتے رہیں گے۔ وہ استعمار سے ہنگامی معاہدات اور مصالحت کر سکتے ہیں۔ لیکن جوہنی وہ مستعمرین کی طرف سے خیانت اور نقصان کا خدشہ محسوس کریں گے وہ معاہدات کو اُن کے منہ پر دوسے ماریں گے۔ اور علانیہ اُن کے خلاف جنگ آزما ہو جائیں گے۔ اسلام میں احتکار۔ جبری احتضال ناجائز نفع اندوزی، اور سود کی ساری شکلیں حرام ہیں۔ اور یہی وہ اصل ستون ہیں جن کے ہلنے سے استعمار کی عمارت قائم ہوتی ہے۔ اگر یہ ستون ہٹا دیئے جائیں تو سامراجی محل آٹا فانا فرش خاک ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سامراجی یا اقتصادی حیثیت سے جب بھی مسلمان ممالک میں راہ پاتا ہے تو اس کی اولین کوشش یہ ہوتی ہے کہ اس ملک میں اسلامی احکام و قوانین کو معطل اور منسوخ کیا جائے۔ ایک رات سے اگر استعمار داخل ہونا شروع ہوتا ہے تو دوسرے رات سے اسلام خارج ہونا شروع ہو جاتا ہے۔

**سامراجی متحکمت ہے** | سامراج اپنے مقصد کے حصول کے لئے اور اسلام اور مسلمانوں کے

مابین حائل ہونے کے لئے عجیب و غریب اور طرح طرح کے حربے استعمال کرتا ہے۔ وہ مسلمانوں کا واضح مشفق بن کر انہیں مشورہ دیتا ہے۔ کہ وہ اسلام کے قوانین پارہیزہ کو ترک کر کے مغرب کے قوانین جدیدہ کو اخذ کریں۔ کیونکہ وہ قوت و ترقی اور تہذیب و ترقی کے ضامن ہیں۔ حالانکہ وہ حقیقت وہ ضعف و اضمحلال اور ہلاکت و فساد کا باعث ہیں۔ استعمار پسند مسلمانوں کے جذبہ جہاد اور فراموشی قوت کے ہمیشہ خائف رہتے ہیں۔ اس لئے وہ اس امر کی پوری کوشش کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں



## دین سیاست کی علیحدگی

اگر مسلمان یہ سمجھ بیٹھیں کہ یورپ کی "ترنی" کا راز دین و سیاست کی جدائی میں مضمر ہے تو یہ اُن کی سادہ لوحی اور بے خبری کی بہت بڑی دلیل ہوگی۔ حقیقت یہ ہے کہ جس مسیحیت سے یورپ آشتی رہا ہے اس میں حکومت، سیاست اور دوسرے اجتماعی معاملات سے متعلق احکام و ضوابط سرے سے تھے ہی نہیں۔ کہ مذہب کو سیاست سے جوڑنے یا توڑنے کا سوال پیدا ہوتا مسیحیت کو عروج اس وقت نصیب ہوا ہے جب رومن ایمپائر نے اس کی سرپرستی کو قبول کیا۔ اور اسے سرکاری مذہب قرار دے کر اس کی اشاعت کا بیڑا اٹھایا۔ اس وقت اس سلطنت کا اپنا ایک مکمل قانون موجود تھا۔ جسے آج تک "رومن لا" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ عیسائیت کے سرکاری مذہب قرار دے جانے سے پہلے بھی اور اس کے بعد بھی اس سلطنت کا قانون یہی رومی قانون تھا۔ اور اس وقت جب کہ یورپ کی بیشتر ریاستیں اپنے آپ کو سیکولر ریاست کہلانا پسند کرتی ہیں۔ ان کی قوانین کی اساس اسی رومی قانون ہی پر رکھی گئی ہے۔ اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ مسیحیت میں نہ تو ریاست کی رہنمائی کے لئے کوئی قانونی ضوابط کا سرمایہ موجود تھا۔ اور نہ ہی اسے ریاست کے قوانین میں خلل کا کوئی خاص موقع مل سکا۔ البتہ عیسائیت کے سرکاری مذہب ہوجانے کا اتنا نتیجہ ضرور نکلا کہ اس کی بعض اخلاقی ہدایات کا اثر قانون سازی پر مرتب ہوا۔ لیکن اس کے بعد ایک فیورناک صورت حال رونما ہوئی۔ اور وہ یہ کہ ارباب کلیسا نے ارباب حکومت سے ایک ناپاک سازش اور خفیہ گٹھ جوڑ کر لی۔ اور خدایان کلیسا تحت سلطنت پر شکنجہ ہو گئے۔ شریعت کے احکام تو ان کے ہاں تھے ہی نہیں انہوں نے اپنی عقل کے بل پر، بلکہ اٹکل پچ اور نفسانیت کی بنا پر کچھ اصول و ضوابط گھڑائے۔ اور انہیں مذہب اور خدا کے نام پر لوگوں کے سر منڈھنا شروع کدیا۔ تاکہ عوام کو اپنی

اور استعمار پرستوں اور مشنریوں کے لئے زمین کو بہت حد تک ہموار کر دیا ہے۔ ہم میں سے بہت سے نام نہاد مسلمان ایسے ہیں جن کے ذہن قسمل۔ اور زبان کو حقیر قیمت کے عوض خرید لیا گیا ہے۔ ان سے دین کی مخالفت کرائی جاتی ہے اور مسلمانوں میں اس بات کی تبلیغ کرائی جاتی ہے کہ وہ تمام دنیوی معاملات سے دین کو بے دخل کر دیں۔ اور اہل مغرب کی طرح مذہب اور ریاست کے قتل کو بالکل ختم کر دیں۔ اس طریقے سے سامراجی طاقتیں اسلام اور مسلمان کے مابین حاجی ہو کر اپنی گرفت کو مضبوط کرتی ہیں۔

اسی کا ایک نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے سرکاری مدارس میں دینی تعلیم کو کوئی اہمیت حاصل نہیں ہے۔ دنیوی تعلیم میں نصاب سارے کا سارا مغرب سے استعار لیا جاتا ہے۔ جو طلبہ ان مدارس سے سند لے کر نکلتے ہیں۔ ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ حکومت و سیاست کے معاملات میں دین کو مداخلت کا اہل نہیں سمجھتے۔ ان کے خیال میں دین کو دنیوی معاملات سے کوئی علاقہ نہیں ہونا چاہیے اور اسے صرف خدا اور بندے کے تعلق سے بحث کرنی چاہئے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ دین کے احکام سے نجات پسند غیر کوئی قوم ترقی کے منازل اور تہذیب کے مدارج طے ہی نہیں کر سکتی۔ یہ لوگ اگرچہ دین کی انجمن سے بھی ناواقف ہوتے ہیں لیکن اس جہالت کے باوجود وہ دین کے بارے میں فیصلے صادر فرمانے کی جہالت کرتے ہیں۔ انہوں نے مسلمانوں کی حکومت اور ان کی تعلیم و تربیت کی باگ ڈور آجکل ایسے ہی لوگوں کے ہاتھ میں ہے ایسی تعلیم و تربیت کی فضا میں سے خال خال ہی لوگ ایسی برائی فطرت کے نکل سکتے ہیں جو اپنے گرد پیش پر تنقید، محاسبہ اور موازنہ کی نگاہ ڈالیں۔ اور اس حقیقت کو بھانپ لیں کہ استعمار اپنا کام کس مستعدی اور صفائی سے سر انجام دے رہا ہے اور کس طرح ان لوگوں کو آلہ کار بنا رہا ہے۔

خواہشات کا غلام بنا کر رکھیں۔ کچھ عرصے تک یہ صورت حال قائم رہی۔ لیکن بعد میں سیاست اور فکر و نظر کے میدان میں ان مذہبی اجارہ داروں کے رقیب پیدا ہو گئے۔ غلبہ و اقتدار کے حصول کی خاطر ان دونوں گروہوں میں شدید اور غوریز کش مکش برپا رہی۔ جس میں آخر کار عدلیان کلیسا کو شکست فاش نصیب ہوئی۔ اور ان کے مخالفین سیاست و سیاست کے مقام پر فائز ہو گئے۔

درحقیقت یہ لڑائی دین و الٰہی کی لڑائی نہیں تھی۔ اور نہ بنائے نزاع یہ اصول تھا کہ ریاست دسیاست کا دین سے تعلق ہو یا نہ ہو۔ حقیقت میں یہ ایک جنگ اقتدار تھی جو خالص ہونے نفس کی بنیاد پر لڑی جا رہی تھی۔ دین و مذہب سے اسے دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ ایک طرف کلیسا کے ٹھیکیدار تھے جو مذہب کے نام پر فربہ کاری کر رہے تھے۔ دوسری طرف عام سیاست باز تھے جو قوم کے "عوام اور جمہور" کے نام پر اپنا سکہ چلانا چاہتے تھے۔ یہ اصولوں کی جنگ نہیں تھی بلکہ افراد و ذرات کی جنگ تھی جو پسے بے اصول پن کے ساتھ لڑی جا رہی تھی۔ ریاست اور اس کے قانون کی دین سے جتن کچھ وابستگی یا علیحدگی پہلے تھی وہ کم و بیش اب بھی موجود ہے۔ اگر آپ گذشتہ چند صدیوں کے یورپین قوانین کا مطالعہ کریں تو آپ کو محسوس ہو جائے گا کہ ان میں کوئی بنیادی اور اہم تبدیلی واقع نہیں ہوئی ہے۔ سوائے اس کے کہ پہلے حاکمیت چرچ کے نام پر درج تھی اور اب "جمہور" کے نام درج ہے۔ ورنہ حال وہی ہے کہ پہلے بھی چند انسان اپنے فطن و تخمین کی بنا پر قانون سازی کرتے تھے اور اب بھی چند انسان اپنے گمان و تپاس کے بل پر قانون بنا رہے ہیں۔ قانون کی بنیاد بھی وہی "دین لا" ہے۔ اس میں صرف اتنی تبدیلی ہوئی ہے جتنی مختلف حالات و ادوار میں ناگزیر سمجھی گئی ہے۔

اقتدار کو مذہب کی حمایت حاصل نہیں رہی۔ اور اس کا امکان باقی نہیں رہا کہ ایک خاص طبقہ مذہب کے نام سے ہمیشہ حکومت پر قابض یا غالب رہے۔ دوسرے یہ کہ اب خیال و عقیدہ کی آزادی حاصل ہو گئی ہے۔ اہل کلیسا لوگوں سے ایک خاص عقیدہ بہ جبر منواتے تھے اور جو نہیں مانتا تھا اسے انواع و اقسام کی اذیتوں میں مبتلا کرتے تھے۔ یہ دونوں نتائج اپنی جگہ پر بہت مفید ہیں، اور ان دونوں یا ان میں سے کسی ایک کے حصول کا یہ مطلب سرگرم نہیں ہے کہ اب دین اور سیاست میں کوئی رشتہ باقی نہیں ہے یا اس رشتے کو اب ختم کیا جانا چاہئے۔ دین پر قانون کی بنا رکھنے کا بھی یہ مفہوم سرگرم نہیں ہے کہ سیاست و حکومت پر کسی خاص طبقے کی اجارہ داری قائم کی جائے یا لوگوں کو کسی خاص عقیدے کا زبردستی پیرونا یا جائے سکم اذکم اسلام میں ایسی صورت پیدا ہونے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اسلام میں علماء و فقہاء کا کوئی نسلی یا پیشہ درگروہ نہیں ہے۔ ہر مسلمان عالم اور فقیہ بن سکتا ہے۔ اور اسلام کا اس سے مطالبہ بھی یہی ہے۔ کہ وہ عالم اور فقیہ بنے اور جاہل نہ بنے۔ اسلام کے قوانین و احکام کے لحاظ سے بھی علماء و فقہاء کو کوئی ایسے پیدائشی حقوق نہیں دے گئے ہیں جن سے دوسرے مسلمانوں کو محروم کر دیا گیا ہو۔ اسی طرح اسلام میں عقیدہ و خیال کی بھی پوری آزادی ہے۔ اور لوگوں سے زبردستی کوئی عقیدہ تسلیم کرنا قطعاً ممنوع ہے۔ قرآن مجید میں صاف فرمایا ہے۔ لاکلہ فی الدین اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف فرمایا ہے۔ کہ اصرنا بتو کہھ و ما یدینون (ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم ان لوگوں کو اپنے دین پر چلنے کے لئے چھوڑ دیں) (۱)

۱۔ مقصد یہ ہے کہ غیر مسلم ذمہ داروں کو ہم اس پر مجبور نہیں کہتے کہ وہ جبر و اکراہ کے ساتھ ہمارے اسلامی عقائد و نظریات کو ضرور مان جائیں۔ بلکہ اسلامی ریاست میں ان کو موقع دیا جائیگا کہ وہ شخصی طہ پر اپنے مذہبی احکام پر عمل کیا کریں۔ ہم ان کے لئے ان کے

تاریخی لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو کلیسا اور اس کے مخالفین کے مابین جو کشمکش برپا ہوئی ہے اس سے دو نتائج برآمد ہوئے ہیں۔ ایک یہ کہ ایک خاص گروہ کے سیاسی

مذہبی احکام پر عمل کرنے سے رکاوٹ نہ بنیں گے۔ از مرتب

# اسلامی ریاست

## اسلامی معاشرہ اور اسلامی قومیت

(مولانا امین احسن اصلاحی)

(قسط)

قرآن و حدیث میں دو صنفوں میں استعمال ہوتا ہے ایک خدا اور رسول کے کامل فرمانبردار کے معنی میں، دوسرے ایک اسلامی ریاست کے شہری کے لئے۔ عام اس سے کہ وہ صرف ظاہر میں اسلام کو ماننا ہے یا دل سے بھی اس کو ماننا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے ہمارے طریقہ پر نماز پڑھی، ہمارے قبلہ کی طرف رخ کیا۔ اور ہمارا ذبیحہ کھایا۔ تو وہ مسلم (اسلامی ریاست کا شہری) ہے جس کے لئے اللہ اور اس کے رسول کا قہر قائم ہو چکا ہے تو اللہ کے ساتھ اس کی دی ہوئی ضمانت میں دھکا بازی نہ کرے (بخاری باب فضل استقبال القبلة)

میمون بن یسار نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اے ابو حمزہ! آدمی کے جان و مال کو کیا چیز محترم بناتی ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ جو شخص لا الہ الا اللہ کی گواہی دے۔ ہمارے قبلہ کی طرف رخ کرے، ہمارے طریقہ پر نماز پڑھے اور ہمارا ذبیحہ کھائے تو وہ مسلم (اسلامی ریاست کا شہری) ہے۔ اس کو مسلمانوں کے حقوق حاصل ہوں گے اور اس پر ملاحظ کی ہی ذمہ داریاں ہوں گی (بخاری باب مذکور)

اس اسلامی ریاست میں ایک مسلم کا دوسرے کو یہ قرار دیا کہ اگر وہ حکومت کا صدر یا خلیفہ بن جائے تو خواہ کسی ذات

انوثہ اور بھائی چارگی کی اس عمارت میں جتنی بھی نہیں لگائی گئیں سب پر اسلام کا چھاپ تھا۔ کسی غیر اسلامی روئے یا پتھر کے لئے اس میں کوئی گنجائش نہیں رکھی گئی۔

"مسلمان ایک مسلمان کے لئے ایسا ہی ہے

جیسے ایک دیوار (جس کی ہر اینٹ دوسری

اینٹ کو تقویت پہنچاتی ہے)" (حدیث شریف)

اس پورے معاشرے کو ایک جسم کے ساتھ تشبیہ دی گئی اور اس کی تشکیل کرنے والے اجزاء کو اس جسم کے اعضاء کی حیثیت دی گئی۔ جو اس جسم کے تمام احساسات میں برابر کے شریک ہیں۔

مسلمانوں کی مثال آپس کی محبت، آپس

کی دردمندی اور آپس کی ہمدردی میں ایسی

ہے جیسے ایک جسم ہو کہ اس کے اگر ایک عضو

میں بھی کوئی تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم

بے خوابی اور ہرجا میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

(حدیث شریف)

اس معاشرہ اور اس قومیت نے جب ایک ریاست کی

شکل اختیار کی تو ان لوگوں کے لئے جن کو اس کے اندر مکمل شہریت

کے حقوق حاصل ہوئے مسلسلہ کا لفظ استعمال ہوا مسلم کا لفظ



تعمیل کا مطالعہ کیا ہے۔ ایک ایسا مذہب جس کا مزاج اس طرح کا ہو کہ اگر درکلیت پسند ہو اس کے لئے یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ وہ قومیت کی اساس اپنے سوا کسی اور چیز کو بنے دے۔ اگر اجتماعی زندگی کی تشکیل کسی اور اصول پر ہو جائے تو اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ قوم کا اجتماعی وجود ان احکام سے بنادیتا ہے جو اسلام نے اجتماعی زندگی سے متعلق دئے ہیں۔

اس کا دوسرا سبب یہ ہے کہ اسلام انسانوں اور انسانوں کے درمیان عقائد اور اصول کے اختلاف کے سوا ہر اختلاف کو غیر عقلی اور غیر فطری قرار دیتا ہے۔ وہ اس بات کو بالکل اہمقا نہ قرار دیتا ہے کہ ایک ہی آدمی کی اولاد میں محض اس بنا پر فرق کیا جائے کہ ایک شخص کالا ہے دوسرا گورا۔ ایک شخص جرمن نسب سے تعلق رکھتا ہے۔ دوسرا اطالوی نسب سے، ایک شخص ترکی بولتا ہے دوسرا عربی بولتا ہے یا ایک شخص ایک خاص سرزمین میں پیدا ہوا ہے اور دوسرا اس سرزمین پر نہیں پیدا ہوا ہے۔ آخر ایک ہی آدمی دو حوا کی اولاد میں یا ایک ہی سے عقلی اور فطری مطالبات رکھنے والوں میں، ایک ہی سے میلانا و جذبات کے حاملوں میں اور ایک ہی سے انفرادی و اجتماعی تقاضے محسوس کرنے والوں میں محض ایسے ظواہر کی بنا پر کیوں فرق کیا جائے جو یا تو اتفاقی ہیں یا جن کا تعلق محض آب و ہوا سے ہے؟ انسان کی اصلی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے اندر ایک عقلی ہستی رکھتا ہے اور فاطر کی فطرت سے ایک خاص فطرت لے کر آیا ہے۔ اسلام کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ انسان کی عقل و فطرت کا بالکل صحیح مظہر ہے اس وجہ سے جو لوگ اس کو ملتے ہیں ان کو وہ صراطِ مستقیم پر قرار دیتا ہے۔ اور جو لوگ اس کو نہیں مانتے ان کو صراطِ مستقیم سے منحرف قرار دیتا ہے۔ ان کے متعلق اسلام کا فیصلہ یہ ہے کہ وہ اپنی عقل اور اپنی فطرت کے باغی اور اپنی خواہشات اور اپنے تعصبات کے پیرو ہیں۔ اس وجہ سے اسلام ان تمام لوگوں کو تو بلا لحاظ نسل و نسب اور بلا امتیاز زبان و وطن باہم دگر چھڑاتا

برادری، کسی نسل و نسب اور کسی ملک و وطن سے تعلق رکھتا ہو، معروف میں اس کی اطاعت واجب ہوگئی۔ برعکس اس کے ایک غیر مسلم کو یہ حیثیت کسی حال میں بھی حاصل نہیں ہو سکتی۔ فرمایا سنو اور مانو! اگرچہ تمہارے اوپر ایک جیسی غلام بھی امیر بنا دیا جائے جس کا سہرہ منقہ جیسا ہو۔

**اسلام کے بنائے قومیت ہونے کا راز!**

یہ کہنے کی گنجائش تو باقی نہیں رہتی کہ اسلام میں قومیت کی بنیاد اسلام کے سوا کوئی اور چیز ہے۔ البتہ ایک خام ذہن میں یہ شبہ ممکن ہے پیدا ہو کہ یہ اسی طرح کا ایک مذہبی تعصب ہے جیسا کہ ہر مذہب کے ماننے والوں کے اندر ہوتا ہے۔ کہ وہ کسی ایسے نظام اجتماعی کا تصور نہیں کر سکے جس میں ان سے مختلف عقیدہ و مسلک رکھنے والے بھی مساوی حیثیت سے حصہ دار ہو سکیں۔ اس زمانہ میں چونکہ مذہب اور سیاست کی علیحدگی کا تصور ذہنوں پر پوری طرح مستحکم ہو چکا ہے اس وجہ سے نہ صرف غیر مسلم بلکہ بہت سے مسلمان بھی اس غلط فہمی کا شکار ہیں۔ اس سبب سے ضروری ہے کہ ہم اس کے اصلی اسباب واضح کر دیں۔ ہمارے نزدیک اس کے خاص سبب تین ہیں۔

ایک سبب اس کا یہ ہے کہ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس میں دین اور دنیا یا مذہب اور سیاست کا الگ الگ کوئی تصور نہیں ہے۔ اس نے ہماری زندگی کے کسی گوشہ کو بھی، خواہ وہ انفرادی ہو یا اجتماعی آزاد نہیں چھوڑا ہے۔ اس نے جس طرح ہماری شخصی زندگی سے متعلق احکام دئے ہیں۔ اسی طرح ہماری اجتماعی اور سیاسی زندگی سے متعلق بھی احکام دئے ہیں۔ اور خاص شہرہ اٹھ کے پیدا ہو جانے کے بعد ان کی تعمیل کا بھی اسی طرح مطالبہ کیا ہے جس طرح شخصی زندگی سے متعلق احکام و قوانین کی

آیا ہے پھر وہ کس طرح یہ گوارا کر سکتا ہے کہ محض وہی ادنیٰ القصات کی بنا پر دنیا میں یہ فانی الارضی رہا ہے۔ اس وجہ سے وہ انسانیت کی تنظیم کے لئے نہایت اعلیٰ عقلی اور فطری اصول دیتا ہے۔ اور لوگوں کو دعوت دیتا ہے کہ وہ نسل و طب اندر بانی اور وطن کی تمام تنگ نظریوں سے بالاتر ہو کر ان اصولوں پر مجتمع ہوں تاکہ خدا کی زمین پر پہلے شمار چھوٹی چھوٹی ٹٹنے والی ٹولیوں کی جگہ ایک ایسا گھرانہ آباد ہو جائے جس میں خدا کی مسمیٰ مخلوق اور آدم کی پوری نسل ساسکے۔ صرف وہی اس سے الگ رہ جائیں۔ جو نسل اور وطنی تنگ نظریوں کے مریض اور اپنے مخصوص مفادات کی خاطر انسانیت کے وسیع مفادات کے دشمن ہوں

## اسلامی قومیت اور غیر مسلم

اب تفصیل سے آپ واضح ہو گئی۔ کہ غیر مسلم اسلامی قومیت کا کوئی جز نہیں بن سکتے۔ اور ساتھ یہ حقیقت بھی سامنے آگئی کہ اس تفریق کا باعث کوئی مذہبی تعصب نہیں ہے۔ بلکہ اس کی اصلی وجہ یہ ہے۔ کہ وہ قومیت کے ان وسیع تصورات کو جو اسلام میں کرتا ہے اپنانے کے بجائے ایسے محدود تصورات پر اصرار کرتے ہیں جن سے ان کی دستانہ کی بجائے زمین میں ہمیشہ فنا ہو رہا ہے۔ اسلام ان کو نسل و نسب اور ملک و وطن کی تنگیوں سے نکال کر وحدت اللہ وحدت آدم، اور وحدت فطرت ان کی عالمگیر اصولوں پر لانا چاہتا ہے۔ لیکن جب وہ اپنی تنگ نظریوں کو چھوڑنا نہیں چاہتے تو وہ بجائے اس کے کہ ان کی خاطر اپنے آپ کو ان تنگ نظریوں میں گرفتار کرادے ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیتا ہے

اب سوال یہ ہے کہ اگر غیر مسلم اسلامی قومیت کا جز نہیں بن سکتے تو ایک اسلامی نظام میں ان کے لئے کونسی جگہ ہے اس سوال کا جواب ہم نے تفصیل کے ساتھ اس سلسلہ کے ایک دوسرے مبحث میں دیا ہے۔ وہاں ہم نے نہایت وضاحت کے لئے یہ بحث ایک رسالہ کی شکل میں چھپ کر غیر مسلموں کے حقوق کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

ہے جو اسلام کو بحیثیت ایک نظام زندگی کے تسلیم کرتے ہیں۔ اور ان لوگوں کو اس قومیت سے الگ رکھتا ہے۔ جو اسلام کو نہیں مانتے۔ اسلام ان لوگوں اور ان لوگوں کے درمیان صرف اسی ایک تفریق کو صحیح اور عقلی قرار دیتا ہے۔ اس کے علاوہ دوسری بنیادوں پر وہ ہر جمع یا تفریق کو ناجائز قرار دیتا ہے۔

اسی کا تیسرا سبب یہ ہے۔ کہ قومیت کے جو معروف عوامل ہیں یعنی نسب یا وطن وغیرہ۔ ان کے جو فطری حقوق ہیں وہ تو عید کا اُدپر ہم بیان کر چکے ہیں اسلام نے بہتر سے بہتر طریقے پر خود پورے کر دیئے ہیں وہ سارے حقوق اسلام کا جز بن چکے ہیں۔ اور ایک سچے مسلمان کے لئے ان کا ادا کرنا اسی طرح ضروری ہے جس طرح روزے نماز کا پورا کرنا ضروری ہے۔ اب اس سے زیادہ جو لوگ ان چیزوں کو اہمیت دینا چاہتے ہیں یا جیتے ہیں وہ حقیقت نسل یا وطن کے کسی فطری تقاضے کو نہیں پورا کر رہے ہیں۔ بلکہ وہ ان کو وہ حقوق دینا چاہتے ہیں جو ان کے نہیں ہیں بلکہ خدا کے لئے خاص ہیں۔ ان چیزوں کو قومیت کی بنیاد تسلیم کر لینے سے نورا ان کی مختلف گروہوں اور ٹولیوں میں بلا کسی سبب معقول کے تقسیم ہو جاتی ہے۔ اس کے اندر تعصبات اور جھگڑے پیدا ہو جاتے ہیں۔ عداوتیں اور دشمنیاں ہوتی ہیں۔ ہر قوم کی قومیت اور اس کی وطن دوستی کا یہ لازمی تقاضا بن جاتا ہے کہ وہ دوسری قوم سے لڑے۔ ہر نسل اس بات کو فریضہ قومی سمجھتی ہے کہ وہ دوسری نسل پر اپنا تفوق جتائے۔ ہر زبان کے بولنے والے اپنا یہ پیدائشی حق بتاتے ہیں کہ ان کو ایک الگ قوم کی حیثیت سے منظم ہونے کا موقع ملے۔ اور دریا اور پہاڑ کی ہر حد فاصل صرف زمین کے دو ٹکڑوں ہی کے درمیان حد فاصل نہیں رہتی ہے بلکہ وہ ان لوگوں اور ان لوگوں کے درمیان بھی ایک حد فاصل بن جاتی ہے۔ اسلام ایک امن اور سلامتی کا مذہب ہے۔ وہ ان لوگوں کو کاٹنے نہیں بلکہ جوڑنے

موجودہ حالات اور نئے ابھرنے والے نظریات کے اعتبار سے اس کی بہت بڑی اہمیت ہے۔ لہذا ہم قارئین کرام سے عرض کرتے ہیں کہ وہ گذشتہ تمام شماروں کے اس مضمون کو پھر مسلسل غور سے پڑھیں۔ اور اس کو اپنے قلب و ذہن میں اتار کر جاگزیں کر دیں

(مرتب)

ساتھ بتایا ہے کہ غیر مسلم اگرچہ اسلامی قومیت کا کوئی جز نہیں ہیں۔ لیکن اسلامی نظام میں ان کے لئے نہایت باعزت جگہ محفوظ کر دی گئی۔ (نقطہ)

(نوٹ) "اسلامی ریاست" اور اسلامی قومیت کے عنوان سے جو مضمون قسط و لکھ شمس الاسلام میں شائع ہو چکا ہے۔ اور یہ اس کی آخری قسط ہے۔ ہمارے خیال میں پاکستان کے

### بقیہ صفحہ ۲۲ء

کی توہین اور ان پر اعتراض کرتے ہیں۔ ایک دوسری بوجہ یہ ہے کہ محمد بن ابی بکرؓ کی تعظیم میں تو بڑا غلو و مبالغہ کرتے ہیں اور ان کے والد حضرت ابو بکر صدیقؓ کی شان میں بے ادبی۔ امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ

"روافض محمد بن ابی بکرؓ کی تعظیم میں بڑے غلو سے کام لیتے ہیں۔ اور یہ ان کی قدیم عادت ہے کہ جن لوگوں نے حضرت عثمانؓ کے خلاف شورش میں حصہ لیا تھا۔ ان کی مدح کرتے ہیں۔ اسی طرح سے جنہوں نے حضرت علیؓ کی معیت میں جنگ کی تھی۔ ان کی بڑی تعریف کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ محمد بن ابی بکرؓ کو ان کے والد حضرت ابو بکرؓ کو ان کے والد حضرت ابو بکرؓ پر فضیلت دیتے ہیں۔ طرفہ تماشہ یہ ہے کہ جو شخص پوری امت میں نبیؐ کے بعد سب سے افضل ہے۔ اس پر تو لعنت کرتے ہیں۔ اور جس کو نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت حاصل ہے نہ سبقت نہ فضیلت۔ اس کی مدح کرتے ہیں اور ان کی تعظیم میں ان سے عجیب قسم کا تضاد و متناقض ظاہر ہوتا ہے۔"

(باقی آئندہ)

اس کے پیرو تال ہیں۔ حقیقت میں یہ بے انصاف اس آیت قرآنی کا مصداق ہے۔

المر ترالی الذین ادوا کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا نصیباً من الکتاب جنہیں کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا ہے یومنون بالغیب و الطاعونہ تبول اور شیطان کو مانتے ویقولون للذین کفروا ہیں۔ اور کافروں کے بارے میں ہولاد اھدی من کہتے ہیں کہ یہ لوگ مسلمانوں سے الذین اصنوا سبیلاً زیادہ راہ راست پر ہیں۔ یہی وہ اولئک الذین لعنہم اللہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی لعنت ہے ومن یلعن اللہ فلن ادحس پر اللہ لعنت کرے تو محمد لہ نصیراً (النار) اس کا کوئی مددگار نہیں۔

شیعوں کی ابوالعجیال شیعوں کی ہمیشہ سے عادت ہے کہ وہ انبیاء سے نسبتی تعلق رکھنے والے (اصول و فروع) یعنی ان کے والدین اور ان کی اولاد کی تو بڑی تعظیم کرتے ہیں لیکن ان کی شریک زندگی اور رفیقہ حیات بیویوں کی شان میں گستاخی اور طعن و تشنیع کرتے ہیں۔ یہ سب قصب اور خوش نفسانی کا کرشمہ ہے۔ چنانچہ حضرت فاطمہؓ اور حضرت حسنؓ و حسینؓ کی تعظیم کرتے ہیں۔ اور حضرت عائشہؓ ام المومنین

# علامہ ابن تیمیہؒ اور تردید شیعیت

## تایید دعوت و عزیمت کا ایک باب

(از حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی)

مطالعن کو آیات و احادیث اور تاریخ و سیر سے ثابت کیا گیا تھا۔ اور مصنف نے اپنی ذہانت، قوت استدلال، اور علمی تجربہ کا پورا ثبوت دینے کی کوشش کی تھی۔ اور اپنے نزدیک اہل سنت پر اتمام حجت کیا تھا۔ مصنف چونکہ عام متاخرین شیعہ کی طرح اصول و عقائد میں معتزلی العقیدہ ہے۔ اس لئے ذات و صفات اور اہل سنت کے اصول و عقائد پر بھی متکلمانہ اور فلسفیانہ بحث کی ہے۔ اہل سنت نے امام ابن تیمیہؒ سے اس کتاب کے جواب لکھنے کے لئے شدید اصرار کیا چونکہ اس میں علم کلام، عقائد، فلسفہ، تفسیر، حدیث، تاریخ اور اشارے کے بکثرت مباحث آگئے تھے۔ اس لئے اس کتاب کا جواب دہینے کے لئے وہی شخص موزوں تھا۔ جو ان تمام علوم و مضامین پر نہایت وسیع اور گہری نظر رکھتا ہو اور ان علوم کا صاحب نظر حوری و نقاد ہو اور چونکہ بدقسمتی سے شیعہ مصنفین احادیث کے وضع کرنے میں اور ان کا غلط حوالہ دینے میں نہایت مشاق اور جری واقع ہوئے ہیں۔ فن حدیث نے اتنی دست و پائی اختیار کر لی تھی۔ اور اس کے لئے مجبورے اور دفاتر تیار ہو گئے تھے کہ ان سب میں ان احادیث و روایات کی چھان بین کرنا اور جرح و تعدیل اور اسماء الرجال کے اصول پر ان کو جانچ نہایت دشوار کام تھا۔ اس لئے یہ خدمت وہی شخص انجام دے سکتا تھا جس کو حدیث و رجال کے ذمہ پر پورا عبور اور

یوں تو شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اپنی تصنیفات میں شیعیت کا جابجا رد کیا ہے۔ اور سنت و عقائد اہل سنت، خلفائے راشدین و صحابہ کرام کی طرف سے پُر زور مدافعت کی ہے۔ لیکن رد شیعیت میں ان کی ایک ہی متقل اور منفرد تصنیف منہاج السنۃ النبویہ فی نقص کلام الشیعہ و القدریہ ہے۔ اس تصنیف کی تحریک و تقریب یہ ہوئی کہ ان کے ایک مباحثہ شیعی عالم ابن المطہر الحلی نے اپنے ولی نعمت اور مخدوم تاتاری بادشاہ دیلجہ خدا بندہ خاں کے لئے جس نے عالم مذکور ہی کی تبلیغ و تحریک سے مذہب شیعہ اختیار کیا تھا۔ ایک ضخیم کتاب اثبات شیعیت و امامت و رد سنت و خلافت منہاج الکلمۃ فی معرفۃ الامامۃ کے نام سے لکھی۔ یہ کتاب ہاتھوں ہاتھ شام پہنچی۔ اور شیخ الاسلام کے مطالعہ میں بھی آئی۔ شیعوں کو اس کتاب پر بڑا ناز تھا۔ وہ اس کو ناقابل تردید اور لا جواب تصنیف سمجھتے تھے۔ اس کتاب کا بڑا حصہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور اہل بیت کی امامت و عصمت کے ثبوت اور خلفائے ثلاثہ کی خلافت کی تردید اور ان کی اور صحابہ کرام کے مطاعن پر مشتمل تھی۔ سیدنا علیؑ اور آلہ اثنا عشر کے فضائل اور ان کی امامت و عصمت کو آیات و مقصود تراکی اور احادیث و روایات سے ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ اسی طرح سے خلفائے ثلاثہ و صحابہ کرام کے

وہ اُن کی تمام تصانیف میں ایک اتنا ہی شان رکھتی ہے۔ ابن تیمیہ کے علمی، تحریر، وسعتِ نظر، حاضر و ماضی، حفظ و استحفاظ، پختگی اور اتقان، اندازِ مانت و طباطبائی کا اگر صحیح نمونہ دیکھنا ہو تو اس کتاب کو دیکھنا چاہئے۔ مصنف منہاج الکرامۃ کی عبارت نقل کرنے کے بعد جب اُن کے علم و عظمت دینی کو جو شرف آتا ہے انسان کے علم کے سمندر میں طوفان اٹھتا ہے، اور تفسیر و حدیث تاریخ و سیر کے معلومات کا لشکر امداد ہے۔ تو بے اختیار اُن کے فریقِ مقابل سے کہنے کو جی چاہتا ہے کہ یا ایہذا السَّلَامُ اَدْخَلُوا مَسَاكِنَكُمْ لَا يَخْطُمُكُمْ سُلَيْمَانُ وَجَبْدُكُمْ وَهَمٌّ لَا لَيْشَعْرُونَ۔

**کتاب کا محرک اور اندرونی باعث**

امام ابن تیمیہ کے لئے اس کتاب (منہاج السنۃ) کی تصنیف کا اصل محرک اور اندرونی باعث یہ ہے کہ مصنف منہاج الکرامۃ نے خلفائے راشدین اور سابقین اولین پر جو امام ابن تیمیہ اور اہل سنت کے عقیدہ میں انبیاء کرام کے بعد افضل خلایق اور صالح ترین افراد انسانی ہیں۔ عامیہ انداز و ساقیہ نہ طریقہ پر زبانِ وطن و درازی اور ان کو شرار خلق اور اذلیل مخلوقات ثابت کیا۔ اور یہ بات اُن کے نزدیک اسلام کی بنیادوں پر تیشہ چلانے، اور نبوت محمدی پر اعتراض و طعن اور الحاد و فتنہ کا دروازہ کھولنے کے مترادف ہے۔ وہ ایک جگہ لکھتے ہیں۔

”اگر اس سنگرِ حد سے بڑھنے والے شخص نے

اُن لوگوں پر دستِ درازی نہ کی ہوتی۔ جو سخیل اولیاء اللہ، اہل زین کے سردار و پیشوا اور انبیاء کرام کے بعد اللہ کی مخلوق میں سب سے بہتر ہیں۔ اور دستِ درازی بھی ایسی جو دین میں رخنہ ڈالتی ہے۔ اور کفار و منافقین کو دلیل اور حجت فراہم کرتی ہے۔ اور بہت سے

حدیث کے کتب خانہ کا ایک ایک ورق اس کے سامنے ہو۔ اور کسی روایت، کسی راوی، اور کسی حوالہ کے بارے میں اُس کو دھوکا نہ دیا جاسکے مگر اس کے ساتھ تاریخ اسلام پر بھی اس کی ایسی نظر ہو کہ وہ ایک نظر میں مصنف کی تاریخی غلطی پکڑ لے، اور کوئی غلط بیانی یا فرضی روایت اُس کے سامنے چل نہ سکے یہ بات مسلم ہے کہ کسی تاریخی شخصیت پر اعتراض کرنا اور اس میں عیب لگانا تاریخ کے وسیع ذخیرہ میں سے آسان ہے لیکن صفائی پیش کرنا اور واقعت کرنا مشکل ہے۔ اور مطاعن صحابہ اہل تشیع کا پسندیدہ موضوع اور ان کی جولانی طبع کا خاص میدان ہے۔ علم و دین کی یہ بڑی خوش قسمتی تھی کہ اس کتاب کے زمانہ تصنیف ہی میں ایک ایسے عالم اہل سنت نے اس کے جواب کی طرف توجہ کی جو اپنے زمانہ کا امیر المؤمنین فی الحدیث تھا جس کی آنکھوں کے سامنے حدیث و رجال کا پورا کتب خانہ کھلا ہوا تھا۔ اور اس کے متعلق اہل نظر کا مقولہ ہے کہ جس حدیث کو امام ابن تیمیہ کہہ دیں کہ میں نہیں جانتا وہ حدیث ہی نہیں۔ انہوں نے مطاعن صحابہ کے باب میں اُمت کی طرف سے فرض کفایہ ادا کر دیا۔ اور وہ کام کر دیا جو اُن کے زمانہ کے بعد کسی دوسرے عالم کے لئے بہت مشکل تھا۔ اس باب میں اُن کے بعد کے تمام علماء ان ہی کے خوشہ چیں رہیں گے۔

ابن المطہر الحلی کی کتاب منہاج الکرامۃ کے جواب میں انہوں نے منہاج السنۃ کے نام سے جو کتاب لکھی ہے

یہ کتاب بڑے سائز کی چار جلدوں میں ہے کتاب کے مجموعی صفحات ۱۲۱۳ ہیں۔ ۱۳۲۲ھ میں شیخ مصطفیٰ باقر حلی کے اہتمام میں مطبع امیرت مصر میں شائع ہوئی۔ علامہ ذہبی نے اس کا خلاصہ المستقی کے نام سے کیا تھا۔ حال میں وہ شیخ محمد نصیف کی توجہ اور عالی مرتبت سے اور استاد محب الدین الخلیل کے اہتمام سے مصر میں شائع ہوا ہے

اہل ایمان کے دلوں میں صنف و مشبہ پیدا کرتی ہے تو ہمیں اس شخص کی تنقید و تردید کی اور اس کی قلبی کھولنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ اللہ تعالیٰ اس شخص سے اور اس کے ہم عقیدہ لوگوں سے انصاف کرتے۔

ایک دوسری جگہ شیعوں کے نزدیک خیر الامم سے یہود و نصاریٰ بہتر ہیں اور صحابہ کرام کی تنقیص کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

”اُمّت محمدی خیر الامم ہے اور اس اُمّت محمدی میں سب سے بہتر قرن اول کے لوگ تھے قرن اول کے لوگ علم نافع اور عمل صالح میں سب سے اعلیٰ داعی تھے۔ لیکن ان اقز پر دازوں نے اس کے خلاف نقشہ کھینچا ہے۔ ان کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ ان کو حق کا علم تھا اور نہ وہ حق کی پیروی کرتے تھے۔ بلکہ ان میں سے اکثر حق کی جان بوجھ کر مخالفت کرتے تھے۔ جیسے کہ ان کا خفاء ثلثہ اور جمہور صحابہ امت کے متعلق بیان ہے۔ اور ان کے نزدیک ان میں سے حق سے آشنا نہیں تھے۔ بلکہ انہوں نے ظالموں کی تقلید کی۔ اس لئے کہ ان کو عدد و فکر حاصل نہیں تھا۔ جو علم تک پہنچا سکے۔ اور جس نے غرور فکر سے کام نہیں لیا اس نے غرور نفس نفانی یا دنیا طلبی میں کیا ہوگا۔ یا اپنے قصور و اداک میں کمی کی وجہ سے، ان کا دعویٰ ہے کہ صحابہ کرام میں سے بعض استحقاقاً اپنے لئے خلافت کے طالب تھے۔ ان سب سے یہ لازم آتا ہے، کہ اُمّت اپنے نبی کے بعد ساری کی ساری

گمراہ تھی۔ اس میں سے کوئی ہدایت کے راستہ پر نہیں تھا۔ اسی طرح یہود و نصاریٰ (یہودیت و مسیحیت کے نسخ و تبدیل کے بعد) ان مسلمانوں سے بہتر ثابت ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ قرآن شریف میں آتا ہے ”وَمِنْ قَوْمٍ مُّؤْمِنٍ أَمَةٌ يُهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِ يَعْدِلُونَ“ (اور موسیٰ کی قوم میں سے ایک جماعت ہے جو حق کی راہ بتاتے ہیں اور اسی کے موافق انصاف کرتے ہیں۔) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اطلاع دی ہے۔ کہ یہود و نصاریٰ میں شر سے زائد فرتے ہو جائیں گے۔ ان میں سے ایک نجات پانے والا ہوگا۔ لیکن اگر ان شیعوں کی بات مان لی جائے تو ان مسلمانوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایک گروہ بھی ایسا ثابت نہیں ہوتا جو حق پر قائم ہو اور انصاف کا علم دار ہو۔ اور جب ان کے بہترین دور میں بھی ایسا نہیں تھا تو اس کے بعد تو اور بھی میدان صاف ہوگا۔ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ یہود و نصاریٰ نسخ و تبدیل کے بعد بھی اس اُمّت سے بہتر ہیں۔ جن کی تریف اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کتمہ خیر اُمّۃ اخرجت للناس

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں۔ ”ان شیعوں نے خیر اُمّت کو شر اُمّت بنا دیا“

آخرین میں سب سے اعلیٰ و افضل تھے اور جن کی شان میں کلمہ خیر اُمّۃ اخرجت للناس آیا ہے۔ شرار الناس ثابت کیا۔ اور ان پر بڑے بڑے قبائح کا الزام لگایا۔ اور ان کے عنایات کو بھی سبکات بنا دیا۔ اور ان کے بالمقابل اسلام کی طرف اپنی نسبت کرنے والوں میں جو اہل امواء تھے اور جن سے بڑھ کر ظالم کفر و فسق و مہاسی سے قریب اور حقائق ایمانی سے دور کوئی نہیں، ان کو انہوں نے برگزیدہ ترین خلافت ثابت کیا۔ اور اس طرح ساری امت کی تکفیر کی یا اس کو گمراہ ثابت کیا۔ سوائے اپنی چھوٹی سی ٹولی کے جس کے متعلق ان کا اعتقاد یہ ہے کہ وہی برسر حق ہے۔



ہیں۔ مسلمانوں کے مقابلہ میں کہیں زیادہ۔ چنانچہ جب تاتاری مشرق کی طرف سے آئے۔ اور انہوں نے مسلمانوں کا قتل عام کیا۔ اور خراسان۔ عراق و شام اور جزیرہ میں ان کے خون کے دریا بہائے۔ تو یہ روافض مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کے حامی و مددگار تھے۔ اسی طرح جوشیہ شام و حلب وغیرہ میں تھے۔ وہ مسلمانوں کے مقابلہ میں دشمنان اسلام کے بہت زیادہ مدد کرنے والے تھے۔ اسی طرح سے جب عیسائیوں نے شام میں مسلمانوں سے جنگ کی۔ تو روافض ان کی کمک پر تھے۔ اسی طرح اگیہودیوں کی عراق میں یا کہیں اور حکومت قائم ہو جائے تو یہ روافض ان کے سب سے بڑے مددگار ثابت ہوں گے۔ وہ تو ہمیشہ کفار، مشرکین، یہود و نصاریٰ کی مدد کے لئے اور مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کا ساتھ دینے کے لئے تیار رہتے ہیں۔

**تعصب الہ انصافی** ایک جگہ ابن المقرب الحلی نے خواجہ نصیر الدین طوسی کا ذکر کرتے ہوئے بڑی تعظیم و تقدیس سے اس کا نام لیا ہے۔ اور شیخنا الامام الاعظم خواجہ نصیر اللہ و الحق والدین محمد بن الحسن الطوسی قدس اللہ روحہ کے الفاظ لکھے ہیں۔ اس پر ابن تیمیہ کی حیثیت ایمانی کو جوش آیا ہے۔ وہ خواجہ نصیر الدین طوسی کے فصاحت اور خلیفہ عباسی اور بغداد کے قتل عام کے کا نامہ اور ان کے ملحوظ عقائد و خیالات کا ذکر کرتے ہوئے بڑے تعجب لکھتے ہیں کہ "حیرت کی بات ہے کہ یہ مصنف ابو بکر و عمر و عثمان اور

سابقین اولین اور ان کے بعد کے ائمہ مسلمین اور اہل علم و دین کی شان میں گستاخی کرتا ہے اور ان کی طرف بڑے قبايح کا انساب کرتا ہے۔ اور ان کا سیدھے منہ نام نہیں لیتا۔ اور جس شخص کی اسلام دشمنی عالم آشکارا ہے۔ اس کو شیخنا الاعظم اور قدس اللہ روحہ لکھا ہے۔ حالانکہ خود یہ ان عقاید پر

تکفیر کا فتویٰ دے چکا ہے جن کا یہ شخص (نصیر الدین طوسی) اور (باقی صلاہ)

ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص بھڑک پڑے ان کے ایک بڑے ریوڑ میں جائے، اس سے کہا جائے کہ اس ریوڑ میں سب سے اچھی بیڑ بکری چھانٹ دو تاکہ ہم اس کی قربانی کریں۔ وہ ان میں سے ایک کا فی، لنگڑی لاغر، مرہل، بکری چھانٹ لے جس میں نہ گوشت نہ گودا، اور کہے یہ اس ریوڑ کی سب سے اچھی بکری ہے۔ اور قربانی اس کی جائز ہے۔ باقی جتنی بیڑ بکریاں ہیں یہ سب بیڑ بکریاں نہیں ہیں، بلکہ شکر ہیں۔ ان کا قتل واجب اور قربانی ناجائز ہے۔

**امام شغبی کا قول** وہ امام شغبی کا ایک قول نقل کرتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ روافض کے مقابلہ میں اپنے پیغمبر کے زیادہ مرتبہ شناس اور قدردان ہیں۔ یہودیوں سے پوچھا گیا کہ تمہاری ملت میں سب سے بہتر کون لوگ ہیں۔ انہوں نے کہا کہ حضرت موسیٰؑ کے ساتھی اور ان کے اصحاب۔ عیسائیوں سے پوچھا گیا کہ تمہاری ملت میں سب سے بہتر کون ہے؟ انہوں نے کہا حضرت عیسیٰؑ کے حواری۔ اور روافض سے پوچھا گیا کہ تمہاری ملت میں سب سے بدتر کون ہے؟ انہوں نے کہا۔ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم، ان نیک مجتہدوں کو حکم دیا گیا تھا صحابہ کے لئے مغفرت کی دعا کرنے کا۔ انہوں نے ان کو سب شتم کیا۔

**سابقین اولین سے عداوت اور کفار سے محبت** روافض کی ہمیشہ سے عداوت، کہ جماعت مسلمین کو چھوڑ کر ہمیشہ یہود و نصاریٰ اور مشرکین کا ساتھ دیتے ہیں۔ اور انہی کی دوستی کا دم بھرتے ہیں۔ ان لوگوں سے بڑھ کر کون گمراہ ہوگا۔ جو ہمہ جہاں میں سے سابقین اولین سے عداوت رکھیں۔ اور منافقین اور کفار سے دوستی کریں۔

پھر وہ شیعوں کے کفار کا ساتھ دینے اور ان کی مدد کرنے کے واقعات لکھتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"ان میں سے اکثر تہ دل سے کفار سے دوستی رکھتے

# ایمان و امان

جناب مولانا حکیم محمد اسحاق صاحب سندیلوی استاذ دینیات و معاشیات دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ  
(سلسلہ کے لئے دیکھو رسالہ ماہ جولائی و اگست)

دنیاوی زندگی سے ہے۔ اس کا کردار ہی وہ چیز ہے جس کی اچھائی برائی اس کو دونوں میں سے کسی ایک ٹھکانے پر پہنچاتی ہے۔ پھر جو اس عالم کا خالق اور مالک ہے وہی اُس عالم کا بھی خالق اور مالک ہے۔ اس کے احکام پر چلنا ہی وہ راستہ ہے جو دائمی آرام کے ٹھکانے پر پہنچاتا ہے اور اس کی نافرمانی ہی مادہ راستہ ہے جو دائمی تکلیف و مفید زندگی بھیجی میں گمراہ ہے۔ وہ مالک ہمارے پرکام کو جانتا اور دیکھتا ہے اور ایک دن ایسا آئے گا جب ساری مخلوق کو جواب دہی کے لئے اس کے سامنے حاضر ہونا پڑے گا۔ اُس دن نہایت علی انصاف کے ساتھ منصف حقیقی ہر شخص کے متعلق اس کے ایک ایک ذرہ اعمال کا حساب کر کے اچھے برے ٹھکانے اور جزا و سزا کا فیصلہ کر دیگا۔

یہ ایک مفصل عقیدے کا مکمل بیان ہے جس کا مختصر عنوان ”عقیدہ آخرت“ ہے۔

اس عالم کے علاوہ جس میں ہم رہتے ہیں دوسرا جواب  
موت فنا کا نام ہے۔ یا تیسرے صورت کا مرنے سے انسان ایک عالم سے دوسرے عالم میں منتقل نہیں ہوتا۔ ہمارے افعال اگر ہماری فنا و بقا، راحت و مصیبت سے کوئی تودہ اسی دنیا تک محدود ہے اس سے آگے نہ کوئی عالم ہے نہ ان کا اس سے کوئی تعلق ہے۔

(دوسرا سوال) کفر و یزید پرستی کے کسی پر دنیوی سے پوچھنے یا آخرت کے کسی مردم خواہ وحشی سے، دونوں انسان کو فانی بنائیں گے۔ نوع انسانی کا یہ متفقہ فیصلہ رذیلہ کے مشاہدہ پر مبنی ہے جس کا انکار غیر ممکن ہے۔ مگر فطرت محض اس مشاہدہ اور فیصلے سے مطمئن نہیں ہو جاتی۔ اس کی نگاہیں موت کے پردے کو چاک کر کے اس کے پیچھے دیکھنا چاہتی ہیں۔ موت کے بعد کیا ہے؟ کوئی نئی زندگی ہے یا محض فنا؟ اس کے بعد جو کچھ ہے اس کو ہم نے افعال و اعمال سے کیا تعلق ہے؟ کیا کوئی ایسا فعل بھی ہے جو اس سخت گھاٹی کے بعد بھی ہماری بقا کا ضمان ہو سکے؟ یہ سب سوالات ہیں جو ہر انسان کے ذہن و دماغ میں بالکل فطری طور پر پیدا ہوتے ہیں۔

پہلے سوال کی طرح اس کے جوابات میں بھی اختلاف پیدا ہوا ہے۔ یہ سب جوابات دوسروں کے ذہن میں داخل ہیں۔ اور سوال اول کے جوابات کے ساتھ گہرا ربط رکھتے ہیں۔

پہلا جواب  
موت کا پانی پار کرنے کے بعد ایک دوسرا عالم ہے۔ جس کے دو حصے ہیں۔ ایک حصہ میں ہمیشہ ہمیش باقی رہنے والا آرام ہے۔ ایسا آرام جس کی اصل کیفیت کا تصور بھی یہاں محال ہے۔ دوسرا حصہ وہ ہے جس میں ہمیشہ باقی رہنے والی تکلیف ہے۔ ایسی تکلیف جس کی شدت کا اندازہ بھی یہاں ناممکن ہے۔ دونوں کا حاصل کر لینا انسان کے اختیار میں ہے۔ اور دونوں کا تعلق اس کی اسی

میں کمی نہیں ہے۔ جن کے لئے تربیتی ہوئی لاشیں، خونچکان مجسمے، جلتی ہوئی بستیاں، ڈھیتی ہوئی عمارتیں۔ یتیموں کے لئے یتیم خانے کی آہیں اور اس طرح کے دلہزدہ مناظر کیفیت دسروں کی دنیا بولتے ہیں۔ اگر ان میں طاقت سے توفہ اس ڈرامہ کو کھیل سکتے ہیں۔ اگر آخرت نہیں ہے تو ان کو کس دلیل کی بنا پر قابلِ نفرت مجرم سمجھا جاسکتا ہے۔ وہ عالم جہاں خواہش اور جذبات کی حکمرانی ہو جہاں کے باشندے لذتوں کے خواب شیریں سے چمکنے نہ چاہتے ہوں۔ جہاں آرزوؤں کی ساری دنیا سمٹ کر صرف حیاتِ متعارف میں جمع ہوگئی ہو۔ جہاں تمناؤں کی تاریک رات ان کے قلب و دماغ کو اپنے آغوش سے باہر نہ جلنے دیتی ہو۔ جہاں دنیا اور دنیاوی زندگی کی ساری رعنائیاں اور رنگینیاں سمٹ کر ان فی نظروں میں سما گئی ہوں۔ جہاں فنا کا دھڑکا اور فرصت کی کمی کا کھٹکا ہر وقت خواہشوں کو زیادہ کر رہا ہو۔ وہاں امن و امان یا راحت و اطمینان کا کیا کام ہے۔ کیا ایسی جگہ خود غرضی، خود پرستی، حیوانیت و بہیمیت، غمناک پرستی، لذت پرستی کے علاوہ کوئی ایسی چیز بھی پائی جاسکتی ہے جو انسانیت کو طاقت دے۔ کیا ایسی جگہ فتنہ و فساد کی آتشیں بادِ سحرم کے علاوہ امن و امان کی نسیمِ روح پروردگار کوئی جھونکا بھی آسکتا؟

ایک تہلکے جس کا سہارا یہ مادہ پرست بیتے ہیں۔ اس کو بھی ان کے ہاتھ سے کیوں نہ چھین لیا جائے؟ کہتے ہیں کہ فطرتِ انسانی اجتماع کی دلدادہ ہے۔ اور اس کے لئے خواہشوں میں اعتدال پیدا کرنا نیز ان کو کسی قانون کے ماتحت رکھنا ضروری ہے۔ یہی پاکبازی کا راہ ہے۔ اور یہی امن و راحت کی کنجی ہے۔ فطرتِ انسانی کی اس غلط رجحانی سے چشم پوشی کیجئے۔ میاںِ اعتدال کے مسئلے کو بھی اس وقت نظر انداز کیجئے۔ قانون سازوں کے ذاتی رجحانات کے سوال کو بھی چھوڑ دیجئے۔ اور اجتماعی مفاد کے بلے میں اختلافِ خیال کا معاملہ بھی ایک

یہ دلو خیال ہیں جنہوں نے دنیا کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ اس وقت میں آپ کو منطقی استدلال کی پُر خارا دادی میں نہیں لے جانا چاہتا۔ بلکہ آپ کے سامنے انسانیت کی طرف سے ایک سوال پیش کرنا چاہتا ہوں کہ ان میں سے کونسا عقیدہ امن و امان سے مناسبت رکھتا ہے؟

انسانی زندگی متضاد چیزوں کا مجموعہ ہے، خواہشوں کی تلخیت بھی، امن میں مودت بھی، اور تسکین کی راحت بھی، کامیابیاں بھی اور ناکامیاں بھی، رنج بھی اور خوشی بھی، میمانہ زندگی کا پیر معائنِ غرتِ تدخِ خود کو پہنچاتا ہے۔ بچپن میں غفلت کا شیریں شربت پلا کر بے خود بنا دیتے شباب ایک مشعل جہاں تاب ہے۔ اور اس غمزدہ سفر منہ ہاتھ ہے ہر سفر میں سارے عالم کی رنگینیاں ہیں کہ عادی جاتی ہیں۔ انسان پیتا ہے اور غافل و دہمست ہو جاتا ہے۔ پھر اس شباب کا سایہ ڈھنسنے پر جب کچھ ہوش آتا ہے تو پیری کا جس قافلہ کے کوچ کی خبر سنا لے۔ اور موت کی منزل آجاتی ہے۔ یہ سے انسانی زندگی کی کمانی، مگر اس کے بعد میں اگر کہو کہ کچھ نہیں ہے اور بس یہی زندگی سب کچھ ہے۔ تو اسے اپنے کے بعد کس سے کیوں نہیں اور کیوں کر کہیں کہ تم پاکباز رہو۔ لذتوں اور غمناہوں میں اعتدال پیدا کرو، تمناؤں کے بحر بے کراں پر بندھ لگاؤ۔ آئندہ دل کو اصلاح کے زندان میں مقید کرو۔ اور کوئی بدلنے تو کیوں مانے؟ اگر اس زندگی کے بعد کوئی زندگی نہیں ہے تو اگر اس عالم کے علاوہ کوئی دوسرا عالم نہیں ہے، اگر جزا و سزا کا کوئی وجود نہیں ہے۔ اگر آخرت کا خیال غلط ہے تو پھر عقل و خود کا فیصلہ یہ ہے کہ انسان ادنیٰ سے ادنیٰ آرزو کو بھی منزل تکمیل تک پہنچائے بغیر نہ رہے۔ اور مستی و شراب، چنگ و رباب، قتل و خراب، دنیا کی ہرزائی کا اکتساب اس کے لئے جائز ہی نہیں بلکہ ضروری و واجب ہو۔

انسانی طبیعتیں مختلف ہیں۔ اس لئے ان کی خواہشیں اور لذتیں بھی مختلف ہیں۔ ایک معمولی نوجوان اگر تشنگی سے تسکین حاصل کرتا ہے تو چنگیزی طبیعت رکھنے والوں کی بھی دنیا

بالکل ناکام رہیں گے۔ اور اس کو سارا عالم تیرہ و تار ہی نظر آئے گا۔ یقین کیجئے۔ کہ اس واجب شہید کے وقت غم و حسرت کا جو جنون اس کے قلب پر ہو گا۔ دنیا کی کوئی تڑاؤ اسے تول نہیں سکتی ہے۔ یہ وہ شخص ہے جو منکرِ آخرت ہے، اور یہ انکارِ آخرت کی پہلی سند ہے۔

ایک دوسرے شخص کی حالت پر بھی نظر کیجئے جس کی آرزوؤں کی تکمیل موت پر موقوف ہے۔ فرشتہ موت جس کے لئے پیامِ وصال لاتا ہے۔ دوسرے عالم کی بے پایاں وسعتیں جس کی نظر کے سامنے ہیں اور وہ دنیا کو باوجود دست اپنی تمنائوں کے لئے تنگ پاتا ہے جو زندگی کی قدر و قیمت موت اور مابعد موت کی نسبت سمجھتا ہے۔ جس کے لئے موت ابدی راحت کا ذریعہ، تکمیلِ زندگی کا وسیلہ، سکون و سرور کا زینہ، اور کامیابی و کامرانی کا دروازہ ہے۔ اس کے لطفِ زندگی سکونِ قلب، دماغ، راحت و اطمینان کو کسی پیمانے سے ناپا جاسکتا ہے۔ یہ وہ شخص ہے جس کے دل و دماغ عقیدہٴ آخرت سے منور ہیں۔ بلاشبہ زندگی کے تلخ ترین جُربات کو جُرمہ کو شر اور تسنیم بنا دینے والی پیرِ عقیدہٴ آخرت ہے؟

لے لسان البصیر اکبر الہادی مرحوم نے کیا خوب فرمایا ہے

غم میں کچھ ہوتا ہی ہے امید فردا سے سکون

وائے بے حالش جسے امید فردا ہی نہ ہو (درب)

## آقائے دو عالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی دلاوت و باسادت کے موقد پر بڑے بڑے علماء کے علمی اور تحقیقی مضامین شائع کئے گئے ہیں۔ اسلام پسند حضرات مفت طلب فرمائیں

قصر الحکمت، پٹیا نمبر ۱۰، سوس میٹروپولیٹن لاہور

طرف رکھئے۔ مگر یہ سوال تو کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ کہ قانون کی نگاہ سے مخفی ہو کر فتنہ و فساد کی آگ سے لگانے میں کوئی رکاوٹ پیش آسکتی ہے؟

جسمِ انسانیت کے وہ زہریلے پھوڑے جو جرائم اور بد اعمالیوں کے نام سے موسوم ہیں۔ اگر قانون کی بتیاں ان کے منہ کو بند بھی کر دیں تو بھی ان کا زہریلا مواد اس کو اندر ہی اندر رکھا تارہا ہے۔ یہاں تک کہ ایک دن پورا جسم سینکڑوں رستے ہوئے ناسوروں کا مجموعہ اور سر سے پیر تک ایک زخم بن جاتا ہے۔ اجتماعی فائدوں کا خیال کچھ دنوں تک خفاشوں کو روکتا ہے۔ پھر یہی خیال اجتماعی جرائم کے لئے بہانہ بن جاتا ہے۔

کوئی مجھے بتائے کہ دنیا کا وہ کونسا جُرم ہے جو اجتماعی مفاد کے نام پر آج نہ ہو رہا ہو؟ عقل و تجربہ کسی طرح باوجود کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں کہ انسانِ آخرت کا عقیدہ پھوڑ کر محض اصول کے ٹوکھے ٹوکڑوں کے لئے لذتوں اور کامرانیوں کے ترمو نازہ لقموں سے منہ موڑ سکتا ہے۔ اور اس راہ میں کسی رکاوٹ و پابندی کو برداشت کر سکتا ہے۔ حسرتِ آخرت کا عقیدہ ہی وہ محتسب ہے۔ جو شریروں کے اندر بھی انسانی کردار کی نگہ رانی کر سکتا ہے۔ اور اس کو فتنہ و فساد سے روک سکتا ہے۔ واقعہ کی تصویر ایک دوسرے سے زیادتی سے لیجئے جس شخص کی آرزوئیں، خواہشیں، لذتیں، اور کامرانیوں کی کے ساتھ آغوشِ تمدن میں ہمیشہ کے لئے سونے پر اصرار کر رہی ہوں جس کی کوتاہ نظر موت کے بد تاریکی کے موا کچہ نہ دیکھ سکتی ہو جس کے لئے موت کا بھیانک چہرہ فلکِ دائمی کی علامت ہو، اس کی حسرت دیاں، قلبی بے چینی، و مانعِ کوخت بے کلی کو دنیا کے کس پیمانے سے ناپا جاسکتا ہے۔ سکونِ دواحت کی گنجائش اس کے دل کے کس کجوش میں نکل سکتی ہے؟

غفلت اور عارضی لذتوں کا نشہ اگر اس کے دل سے چند لمحوں کے لئے بھی اتر جائے تو روشن آفتاب، منور مانتاب، جگمگاتے ہوئے ستارے اپنی انتہائی کوشش کے باوجود

# اتحاد بین المسلمین

واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تنفروا قلوباً  
از مولانا محمد یعقوب صاحب خطیب محمد پورہ (دہلی)

قبائلی و لونی معصیت کو شرک کی مانند قابل نفرت قرار دیا گیا تھا قومیت کا دار و مدار اسلام پر تھا جو افراد حلقہ اسلام میں آ رہے تھے وہ ایک قوم بن رہے تھے۔ ان کے دلوں میں الفت و بیگانگی کا پر غوص جذبہ خود بخود پیدا ہو رہا تھا۔ اعلیٰ نسل و خاندان والوں کو اپنی برتری و فوقیت پر کوئی غرور و تکبر نہ رہا تھا۔ اور حبشیوں اور غلاموں و لونڈیوں میں سے احساس کبرتری ختم ہو چکا تھا۔ آقا غلاموں کو غلام کہنے سے شرانے تھے بلکہ اپنا بھائی کہہ کر پکار رہے تھے غلام و آقا کی تمیز مٹ چکی تھی اتحاد و اتفاق کی برکات سے ہر ایک متمتع ہو رہا تھا۔ دینی و سیاسی محافل و مجالس میں اتحاد و مساوات کا بے مثل نظارہ نظر آتا تھا۔ کیا ہی عجیب و مبارک دور تھا۔ شیخین کے دور میں بھی یہی اتفاق و مساوات کی کیفیت باقی تھی۔ الفرض جب تک اہل اسلام کا آپس میں اتفاق و اعتماد رہا دنیا کی تمام باطل طاقتیں اور حکومتیں لرزہ بر اندام رہیں۔ یہ اتفاق ہی کا کرشمہ تھا کہ مسلم فوجیوں کے سامنے بڑے بڑے گہرے سمندر پایاب ہو گئے اور پہاڑوں کی سر بلندی چوٹیوں نے اپنے سر جھکا دیے۔ لیکن شیطان جو جی نوع انسان کا روزِ ازل سے دشمن ہے مسلمانوں کے اس بے نظیر اتفاق کو بے اشت کر سکتا تھا۔ وہ سخت بے چین تھا۔ اور اس انتظار میں تھا کہ کوئی ایسا ایجنٹ ملے جو مسلمانوں میں پھوٹ ڈال دے اور اس مضبوط شیرازہ کو منتشر کر دے ایک خدا ایک رسول

مسلمانوں کو آپس میں اتحاد و اتفاق کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی قرآن و حدیث میں سخت تاکید کی گئی ہے۔ اختلاف و انتشار اور تغیر و تحریک سے بڑی شدت سے منع کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صحابہؓ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ کہ وہ آپس میں ایک دوسرے سے محبت کر نیوالے جمل ہیں۔ اور کفار و اعدائے کے مقابلے میں متحد و متفق ہو کر کھڑے جانے والے ہیں۔ وہ ایک دوسرے کے ساتھ حقیقی بھائی اور حسن سلوک اور فیاضی سے پیش آنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سب مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ ایک جگہ فرمایا کہ اہل ایمان اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ اور جہنم کے کنارے کھڑے تھے اور تیرے تھے کہ جہنم میں گر پڑو لیکن اس وقت تم بھائی اللہ نے احسان عظیم کیا اور اپنے پیغمبر علیہ السلام کی دراصل سے تمہیں جہنم کی آگ سے بچایا اور تمہیں بھائی بھائی بنا دیا۔ اور یہ حقیقت ہے۔ تاریخ شہادت دیتی ہے۔ کہ قرآن اول کے مسلمان اخوت و برادریت کی قائل تھے۔ مثلاً تھے۔ مہاجرین جب مدینہ منورہ پہنچے تو انصار نے انتہائی فروخ دلی کا ثبوت دیتے ہوئے اپنی اہلک و جان واد میں مہاجرین کو برابر کا حصہ دار بنالیا۔ مہاجر و انصار باہم شیر و شکر پور مواخاۃ کی طرہ میں منسلک ہو گئے۔ انصار کے اس طرز عمل نے مہاجرین کو خوب متاثر کیا۔ پیغمبر علیہ السلام نے تمام قس حصے ختم کر دیے تھے۔ وطنی معصیت قومی دلستانی

ان مسلم ممالک پر جو انگریزی سامراج کے ظلمانہ ہتھکنڈوں کو سمجھ کر  
غلامی کا منحوس طوق لاکھوں مشکلات و مصائب کا مقابلہ کرنے کے  
بعد اپنی گردنوں سے اتار کر آزادی کی نعمت سے بہکنار ہو چکے ہیں  
وہ بھی لسانی عصیت کا شکار ہو رہے ہیں گویا ہلاکت کے ایک  
عمیق دتار یک گڑھے سے نجات پا کر ایک دوسرے خوفناک غار  
کے کنارے پر کھڑے ہو رہے ہیں۔ یہ فرنگی کی نئی چال بھی ان کو  
پارہ کر رہی ہے۔ مولانا حالیؒ نے کیا خوب فرمایا۔ ۷

جو اپنے ضعیف کا کچھ کرتی نہیں تدارک  
تو ہیں وہ چند روزہ دنیا میں حسان ہیں  
گھڑیاں اور گھر چھ ہیں ان کو نکل جاتے  
دریا میں مچھلیاں جو کمزور و ناتواں ہیں!

کوئی مسلم ملک روس کا محتاج ہے اور بعض اسلامی  
ریاستیں امریکہ و برطانیہ سے بھیک مانگ رہی ہیں۔ حالانکہ اگر  
اس وقت تمام مسلم ممالک متحد و متفق ہو جائیں تو ایک تیسری  
طاقت عالم وجود میں آسکتی ہے۔ اور پھر کوئی سمجھی ظالم ملک  
فرانس ہو یا برطانیہ کسی مسلم مملکت کی طرف لالچ کی آنکھ اٹھا  
دیکھنے کی جرات دہمت نہ کر سکے۔ علامہ اقبال مرحوم نے  
ارشاد فرمایا ہے۔ ۷

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کیلئے  
نیل کے ساحل سے لے کر تاجک کا شہر

کاش کہ حکومت پاکستان اس منظرِ عظیم کی داعی بن جائے اور  
جو مسلمان ممالک کو ایک شیرازہ میں منسلک کر کے کامیابی کی  
مبارک باد حاصل کرے۔ (آمین)

مگر اس اہم ترین مقصد کے حصول کیلئے پہلے یہ ضروری  
ہے کہ خود پاکستان کو ایک مثالی اور خود مختار اسلامی ریاست  
علا بنادیا جائے اور یہ سب سے بڑی اسلامی ریاست اپنے حقیقی  
معنوں میں اسلامیہ جمہوریہ پاکستان بن جائے اور خدا اور اس  
کا قانون بیان عملی طور سے ہر شعبہ زندگی میں نافذ ہو جائے۔ اس  
کے بعد صرف پاکستان ہی کو حق ہوگا۔ کہ تمام مسلمان ممالک کو دعوت

ایک قرآن کے ماننے والوں کو مختلف گردہوں میں تقسیم کر دے  
چنانچہ شیطان نے اس خطرناک کام کے لیے ایک نہایت ہی خوبصورت  
سفید فام سیاہ قلب ایجنٹ کو آمادہ کر لیا۔ اس ایجنٹ نے  
پہاڑوں جیسے عظیم مکر و فریب استعمال کیے اور گہری سازشوں  
اور چالوں کے ذریعے اہل اسلام کو آپس میں لڑا دیا۔ یہ  
ایک دردناک داستان ہے۔ اندھنہاںک افسانہ ہے۔ اور عبرت  
آموز کہانی۔ بقول انور صابری ۷

جس دور پر نازاں تھی دنیا ہم وہ زمانہ بھول گئے  
اوروں کی کہانی یاد رہی خود اپنا فسانہ بھول گئے  
انگریزی عیاری و مکاری رنگ لائی۔ بڑے بڑے جوتوں  
قبول دے علماء اور صوفیا اور اقتدار پرست لالچی امراؤنگی  
کی مسموم سیاست کا شکار ہو گئے۔ بقول انور صابری ۷  
اغیار کا جادو چل بھی گیا ہم ایک تاشہ بن بھی گئے  
اپنوں کو مٹانا یا دوسرا باطل کا مٹانا بھول گئے

اپنوں نے اپنوں سے غداری کی۔ بڑے بڑے وفادار  
جن پر دنیا پر اسلام کو اعتماد تھا۔ پر لے دسے کے بے وفائیاں  
ہوئے۔ انگریز کی شطرنج کے مہرے بن گئے۔ تاریخ اسلام ان کے  
سیاہ کارناموں سے بھری پڑی ہے۔ غداروں کے تاریخی حالات  
پڑھ کر دل غمناک ہو جاتا ہے۔ اور آنکھیں آنسو بہاتی ہیں۔

اسلام نے جن عصیتوں کو یکسر مٹا دیا تھا۔ اور اپنے پیروؤں کے  
ذہنوں سے ہر قسم کی باطل عصیت کے اثرات محو کر دیے تھے  
ابلیس کے اس ایجنٹ نے ان عصیتوں کو از سر نو ابھارا لیکن  
لوگوں میں بقاء کی عصیت کا حصہ بھونکا۔ بعض کی گردنوں پر طوطی  
عصیت کا دیو سوار کرادیا۔ اور کچھ اہل ایمان کو رنگ و نسل  
کے چکرؤں میں الجھا دیا۔ بعض ناواقفیت اندیش مسلمان لسانی  
عصیت میں مبتلا ہو گئے۔ اور آج چودھویں صدی تک جملہ مسلم  
ممالک انہی سلاسل و اغلال میں جکڑے ہوئے ہیں۔

اسلام کے بنیادی اور فطری نظریات پر فرنگی کے  
باطل اور غیر فطری نظریات کو ترجیح دی جا رہی ہے۔ انوس



قلعے تعمیر کیے جا رہے ہیں۔ اگر واقعہ میں یہ مقصد پیش نظر ہے تو ہم سب کو اس کے لیے کچھ عملی کام کرنا ہوگا۔ اور اس بلاک کے قائم کرنے کے لیے جو صحیح طریق کار ہے۔ اس کو اختیار کر کے مسلسل جدوجہد کرنی ہوگی۔ خدا کرے کہ اس مقصد کے ساتھ ہماری قلبی محبت قائم ہو جائے اور پھر اس کے لیے سعی و کوشش بھی جاری رکھیں۔

دے۔ اور تمام کو جہل اللہ کے ذریعہ سے ایک جگہ جمع کر کے اُن کی شیرازہ بندی کر دے۔ آج کل عام طور سے اخبارات میں بھی مسلم بلاک بنانے کا ذکر آ رہا ہے۔ بعض لیڈر بھی اپنی تقریروں میں انہی الفاظ کو زبان پر لاتے رہتے ہیں۔ لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو ان سب کا انداز بیان محض جذباتی رنگ میں ہوتا ہے۔ محض دل خوش کن آرزوں کا اظہار ہوتا ہے اور ہوائی

## بقیہ ص ۱۰

وجود جامعیت کی نسبت کچھ کہا جائے گا۔ تو گو اس میں ذکر دوسروں کا لفظ نہ آئے۔ لیکن حان ہوگا کہ گویا تمام انبیاء و مرسلین بلکہ نزع انسانی کے تمام افراد فضیلت اور جماعت من النعم اللہ علیہم کے تمام اشخاص مراتب و کمال میں سے ایک ایک فرد کا ذکر کر دیا گیا اور وہ سب کچھ آگیا اور سمیٹ لیا جو ان کے بارے میں کہا جاسکتا تھا۔ جب باغ و چین کا نام لیا۔ تو گو تم نے پھولوں کا نام لیا ہو، نہ اُن کی رنگت و بو کا۔ نہ نہروں کا ذکر کیا ہو، نہ اُن کی نصارت و روانی کا لیکن خود بہ خود اُن سب کا ذکر آگیا۔ اور اس ایک نام کے ساتھ وہ سارے نام لے لیے گئے۔ اور جب تم نے کہا تختہ گل، ہولے عطرین، نظارہ، انہار و اشجار، بنفشہ و سنبل و یاسمین، تو اب تم باغ و چین کا نام لیا نہ لو۔ مگر اس کا نام تو تم نے اُن ناموں میں سے ہر نام کے ساتھ لے ہی لیا۔ اور گو یہ ظاہر ذکر بنفشہ و سنبل اور اشجار و انہار کا تھا مگر نے الحقیقت ذکر اُن سب نہیں بلکہ صرف ایک ہی حقیقت جامعہ کا تھا۔ یہی باغ و چین کا۔ مولانا کے اشارات اس مقام کی نسبت از بس لطیف و پُر ذوق واقع ہوئے ہیں۔ ازاں جملہ کیا خوب فرمایا۔

نام احمد نام جملہ انبیاء است  
چونکہ صد آمد نودہم پیش است

ما شئت قل فیہ - فانت مصدق  
فالحب یقضى والمحاسن لتشهد  
بلکہ اس مقام پر حق تو وہ ہے۔ جو شیخ ابن الفاضل نے کہا  
(طاب اللہ مضجعه) - و علی نقض و اصفیہ بوصفہ  
یفی الزمان و فیہ العیون

وَقَالَ يٰضَرَّحَہُ اللّٰہُ

ادی کلّ مدح فی المتبی مقصّل

وان بالغ المثنی علیہ واکثرا

اذا اللہ اثنی بالذی ہوا ہلہ

علیہ، فما مقدّم ارمایہ مدح الوری

اور اگر خاص طور پر اس معاملہ کو دیکھا جائے تو فی الحقیقت یہ چیز بھی منجملہ خصائص قرآن و صاحبِ قرآن کے ہے۔ آج تمام ادیانِ حاضرہ و عالم میں کوئی دین بھی ایسا نہیں جس کی کتاب الہی اور صاحبِ وصال کتاب کے باہمی علاقہ و وحدت کا یہ حال ہو۔ اور دونوں میں سے ہر وجود ایک دوسرے سے اس طرح پیوستہ و ملحق اور باہم گشت و ہد و شہود کا تعلق رکھتا ہو کہ کتابِ جاہل کتاب کی صداقت پر دلیل و شاہد ہو۔ اور جاہل کتاب اصل کتاب کی صداقت پر ہے۔ ایں دو شمع اندک از یک دیگر فروختہ اند

حتیٰ کہ اگر تاریخِ شریعت کے تمام وسائل معدوم ہو جائیں اور روایتِ حکایت کے تمام صحائف سے قطع نظر کر لیا جائے۔ جب بھی صاحبِ شریعت کے وجود و سیرت کی تاریخی حقیقت اسی طرح روشن و بین باقی رہے۔ جس طرح تاریخ و روایت کے دفا تر میں ہے اور اگر دنیا چاہیے تو اس کی پوری سوانح عمری اور تاریخِ حیات صرف ایک کتاب اللہ کی لوح محفوظ اور کتابِ قیم ہی سے بلا ایک نقطہ کی دو گزداشت کے قریب کر لے۔

لوگوں نے حیات و سیرتِ طیبہ حضرت خاتمِ المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم پر اس حیثیت سے بہت کم نظر ڈالی ہے۔ کہ اگر روایات و دفا تر تاریخی سے قطع نظر کر لیا جائے اور قرآن حکیم ہی کو سامنے رکھا جائے۔ تو آپ کی سیرت و حیات پر کسی روشنی پڑتی ہے۔

## حاشیہ

۱۔ ان آیات کریمہ سے فضیلت و سیادتِ خاتمِ المرسلین کا یوں اثبات ہوا کہ امت مسلمہ کو ساری امتوں سے بہتر فرمایا اور شریعتِ محمدی کو تکمیلِ ادیان اور اتمامِ نعمت قرار دیا اور ظاہر ہے کہ مطیع کی افضلیت مستلزمِ افضلیتِ مطاع اور نعمت کا تمام نفع سابقہ سے اعلیٰ دائم ہونا حاصل و مبلغِ نعمت کے اعلیٰ اور افضل ہونے پر دلالت ہے۔ اگر آخری شریعت تمام پچھلی شریعتوں کی جامع اور اس لیے ان سے افضل ہے۔ اگر آخری امت ساری پچھلی امتوں کے برکات و نفع سے مالا مال اور اس لیے ان سے افضل و اعلیٰ و اصلح ہے۔ اور اگر اسی طرح شریعتِ آخری کے ظہور و زمان و مکان و قوم و عمل کی ساری باتیں پچھلی امتوں کی ان ساری باتوں پر فوقیتِ فضیلت رکھتی ہیں تو یہ نیز اس کے ممکن نہیں کہ امتِ آخری کا رسول و مقوم بھی سارے پچھلے رسولوں کے مراتب و مقامات کا جامع اور اس لیے ان سے افضل و مافوق اور ہے

آپؐ جو نبیاں ہمہ دارند تو تہنہ داری

# کتاب بہترین رفیق ہے!

- \* پیامِ حق = حضرت مولانا ظہور احمد صاحب بکری کی آخری سرکشتہ الٹرا تقریر۔ مذہبِ شیعہ پر سیر حاصل تبصرہ کیا گیا ہے۔ قیمت - ۱/۸/-
- \* تفسیرِ ایت مباہلہ = حضرت مولانا عبد الشکور صاحب کھنور قل تعالوا اندج ابناءنا و ابناءکم کی صحیح تفسیر اور شیعوں کے غلط فہم کا رد۔ ۱/۸/-
- \* تفسیرِ ایت میراثِ ارض = مصنفہ ایضاً آیت ولقد کتبنا فی الزبور انہ خلفائے راشدین کی خلافت کا ثبوت۔ قیمت - ۱/۲/-
- \* تفسیرِ ایت ادلی الامر منکم = مصنفہ ایضاً اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و ادلی الامر منکم کی تفسیر اور شیعوں کے غلط فہم کا جواب۔ ۱/۲/-
- \* تفسیرِ ایت معیت = مصنفہ ایضاً تفسیرِ آیت محمد رسول اللہ والذین معہ الخ حضرت خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم خلیفہ ہونا ثابت کیا گیا ہے۔ قیمت - ۱/۲/-

- تفسیرِ ایت تمکین = مصنفہ ایضاً تفسیرِ آیت الذین ملکنا ہم فی الارض جس سے ثابت کیا گیا ہے کہ حضور صلعم کے ہمراہین کی بارگاہِ الہی میں بڑی عزت ہے۔ ان میں سے ہر ایک امامت و خلافت کی قابلیت رکھتا تھا۔ انکی خلافت قرآن کی موعودہ خلافت ہے۔ ان کے عہدِ خلافت کے تمام کام خدا کے پسندیدہ اور مقبول تھے قیمت - ۱/۲/-
- تفسیرِ ایت رضوان = مصنفہ ایضاً آیت لقد رضی اللہ عن المؤمنین کی تفسیر جس سے ثابت کیا گیا ہے کہ حضرات خلفائے شہداء اور تمام صحابہ رضیہ جنتی ہیں۔ اور عدلانے ان سے اپنی رضا مندی کا اعلان کر دیا قیمت - ۱/۲/-
- تفسیرِ ایت مودۃ القربی = مصنفہ ایضاً آیت قل لا اسئلكم علیہ اجرأ کی صحیح تفسیر سے ثابت کیا گیا ہے کہ شیعہ جو اس آیت کے حوالے سے محبتِ اہل بیت کو اجر رسالت کہتے ہیں یہ قرآن کی معنوی تخریف اور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر سخت حملہ ہے۔ قیمت - ۱/۲/-

- ابوالائمہ کی تعلیم = مصنفہ ایضاً جس میں شیعہ کتب سے ثابت کیا گیا ہے کہ کوئی شخص محبِ حضرت علی اور پیروکارِ اہل بیت نہیں ہو سکتا جب تک کہ مذہبِ حق اہل سنت والجماعت اختیار نہ کرے۔ قیمت - ۱/۸/-
- کشف التلیس حصہ دوم = جس میں فضائلِ صحابہ اور دیگر مسائل پر مکمل بحث کی گئی ہے۔ ۱/۸/-
- تحقیقِ قدس = مصنفہ مولانا سید احمد شاہ صاحب بخاری اجمالی۔ نہایت بہترین اور قابلِ دید کتاب ہے۔ ۲/-
- تحفہ قادیان - ۱/۸/-

ملنے کا یہ

مکتبہ خزانہ انصار و منہج شمس الاسلام ڈاک خانہ شمس الاسلام بھیرہ  
(ضلع سرگودھا، مغربی پاکستان)